شذرات

عام اور خاص	جاوید احمد غامدی	۲

قرآنیات

الاعراف (۴)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

عزت اور بزرگی کا حقیقی مالک	محمد رفیع مفتی	۱۱

سیر و سوانح

حضرت بلال رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۲۱
دمشق میں پہلا دن	ڈاکٹر زاہد منیر عامر	۲۸
امیر عبدالقادر الجزائری کی جدوجہد: چند سبق آموز پہلو	محمد عمار خان ناصر	۴۴

دین و دانش

مولانا مودودی کی تعبیر جہاد	محمد عمار خان ناصر	۴۷

اصلاح و دعوت

توکل اور صبر	عقیل احمد انجم	۶۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

عام اور خاص

دنیا کی کسی زبان میں بھی یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہر لفظ ایک معنی اور ہر اسلوب ایک ہی مدعا کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ یہ بالعموم متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ کہ کسی کلام میں یہ کس مفہوم کے لیے استعمال ہوئے ہیں، ہمیشہ اِسی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ جملے کی تالیف، متکلم کا عرف، نظم کلام، سیاق و سباق اور اِس نوعیت کے بعض دوسرے قرائن کیا حکم لگاتے ہیں۔ اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ذہن تمام احتمالات کو سامنے رکھ کر کبھی فکر و تدبر کے بعد اور کبھی بادنیٰ تامل اپنا فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ زبان سے متعلق یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر امام شافعی نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں قرآن کے خاص و عام سے متعلق فرمایا ہے کہ زبان محتمل المعانی ہوتی ہے۔ اُس کے خاص و عام بھی جب کسی کلام کا جز و بن کر آتے ہیں تو ضروری نہیں ہے کہ ہر حال میں اُسی معنی کے لیے آئیں جس کے لیے وہ اصلاً وضع کیے گئے ہیں۔ اللہ کی کتاب اِس طرح نازل ہوئی ہے کہ اُس میں لفظ عام ہوتا ہے، مگر اُس سے خاص مراد لیا جاتا ہے اور خاص ہوتا ہے، مگر اُس سے عام مراد لیا جاتا ہے*۔ لہٰذا نہ خاص کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مدلول کے لیے قطعی ہے اور نہ عام کے بارے میں کہ وہ اپنے تحت تمام افراد پر لازماً دلالت کرے گا۔ ائمۂ اصول کے ایک

* الرسالہ، الشافعی ۲۳۰۔ یہی وہ بات ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ امام شافعی بھی الفاظ کی دلالت کو اُن کے معانی پر ظنی مانتے ہیں۔ دراں حالیکہ وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زبان میں ایک سے زیادہ مفاہیم کا احتمال ہوتا ہے، اِس لیے کسی ایک احتمال کو سامنے رکھ کر فیصلہ سنانے کے لیے مبادرت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ تدبر کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ کسی خاص موقع پر کون سا مفہوم ہے جسے متکلم کا منشا قرار دیا جا سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گروہ کو اِس سے اختلاف ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ اِس معاملے میں امام شافعی کا نقطۂ نظر ہی صحیح ہے، اِس لیے کہ یہ مجرد لفظ نہیں، بلکہ اُس کا موقع استعمال ہے جو سامع یا قاری کو اُس کے مفہوم سے متعلق کسی حتمی نتیجے تک پہنچا تا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''میزان'' کے مقدمہ ''اصول ومبادی'' میں لکھا ہے:

''...قرآن میں یہ اسلوب جگہ جگہ اختیار کیا گیا ہے کہ بظاہر الفاظ عام ہیں، لیکن سیاق وسباق کی دلالت پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتی ہے کہ اُن سے مراد عام نہیں ہے۔ قرآن 'النَّاس' کہتا ہے، لیکن ساری دنیا کا تو کیا ذکر، بار ہا اِس سے عرب کے سب لوگ بھی اُس کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ وہ 'عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ' کی تعبیر اختیار کرتا ہے، لیکن اِس سے دنیا کے سب ادیان مراد نہیں لیتا۔ وہ 'اَلۡمُشۡرِکُوۡنَ' کا لفظ استعمال کرتا ہے، لیکن اِسے سب شرک کرنے والوں کے معنی میں استعمال نہیں کرتا۔ وہ 'اِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتَابِ' کے الفاظ لاتا ہے، لیکن اِس سے پورے عالم کے اہل کتاب مراد نہیں ہوتے۔ وہ 'اَلۡاِنۡسَان' کے لفظ سے اپنا مدعا بیان کرتا ہے، لیکن اِس سے ساری اولاد آدم کا ذکر مقصود نہیں ہوتا۔ یہ قرآن کا عام اسلوب ہے، جس کی رعایت اگر ملحوظ نہ رہے تو قرآن کی شرح و وضاحت میں متکلم کا منشا بالکل باطل ہو کر رہ جاتا ہے اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، لہٰذا ناگزیر ہے کہ اِس معاملے میں قرآن کے عرف اور اُس کے سیاق وسباق کی حکومت اُس کے الفاظ پر ہر حال میں قائم رکھی جائے۔'' (۲۳)

زبان کی یہی نوعیت ہے جس کے پیش نظر قرآن کے علما و محققین تقاضا کرتے ہیں کہ متکلم کے منشا تک پہنچنا ہو تو محض ظاہر الفاظ کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اُن کے باطن کو سمجھ کر حکم لگانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الٰہی کی یہی خدمت انجام دی ہے اور اپنے ارشادات سے اُن مضمرات و تضمنات کو واضح کر دیا ہے جن تک رسائی اُن لوگوں کے لیے مشکل ہو سکتی تھی جو لفظ و معنی کی اِن نزاکتوں کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ امام شافعی بجا طور پر اصرار کرتے ہیں کہ ظاہر الفاظ کی بنیاد پر آپ کی اِس تفہیم و تبیین سے صرف نظر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ قرآن کا بیان ہے، اِس میں کوئی چیز قرآن کے خلاف نہیں ہوتی۔ خدا کا پیغمبر کتاب الٰہی کا تابع ہے۔ وہ اُس کے مدعا کی تبیین کرتا ہے، اُس میں کبھی تغیر و تبدل نہیں کرتا۔ امام اپنی کتاب میں اِس کی مثالیں دیتے اور بار بار متنبہ کرتے ہیں کہ قرآن کے احکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بیان اور صرف بیان ہے۔ اُسے نہیں مانا جائے گا تو یہ قرآن کی پیروی نہیں، اُس کے حکم سے انحراف ہو گا، اِس لیے کہ اُس کا متکلم وہی چاہتا ہے جو پیغمبر کی تفہیم و تبیین سے واضح ہو رہا ہے، اُس کا منشا اُس سے مختلف نہیں ہے۔

امام شافعی کی اِس بات سے زیادہ سچی بات کیا ہو سکتی ہے! لیکن امام کے استدلال کی کمزوری یہ ہے کہ بیش تر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

موقعوں پر وہ مبرہن نہیں کر سکے کہ لفظ اور معنی کے جس تعلق کو وہ بیان سے تعبیر کرتے ہیں، وہ اُن میں پیدا کس طرح ہوتا ہے؟ چنانچہ اِسی کا نتیجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وعمل کی چند ایسی روایتوں پر بھی مطمئن ہو گئے ہیں جنھیں کسی طرح بیان قرار نہیں دیا جا سکتا، دراں حالیکہ اُن کے بارے میں یہ بحث ہو سکتی تھی کہ اُن کے راویوں نے آپ کا مدعا ٹھیک طریقے سے سمجھا اور بیان بھی کیا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نقطۂ نظر سے جو لوگ اختلاف کرتے ہیں، اُن کی اصلی الجھن یہی ہے۔

ہم نے ''میزان'' میں کوشش کی ہے کہ امام کے موقف کو پوری طرح مبرہن کر دیں، اِس لیے کہ اصولاً وہ بالکل صحیح ہے۔ اہل نظر ''میزان'' کے مقدمہ ''اصول ومبادی'' میں ''میزان اور فرقان'' کے زیر عنوان یہ مباحث دیکھ سکتے ہیں۔ اِس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرآن مجید کے احکام سے متعلق روایتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ اُس کے الفاظ کا مضمر ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریحات سے ظاہر کر دیا ہے۔ قرآن کے طالب علموں کو اِس سے لفظ کے باطن میں اتر کر اُس کو سمجھنے کی تربیت حاصل کرنی چاہیے، اِسے رد کر دینے یا اِس سے قرآن کے نسخ پر استدلال کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة الاعراف

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَاوَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا قَالُوۡا نَعَمۡ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا

جنت کے لوگ (اِس موقع پر) دوزخ والوں کو پکار کر پوچھیں گے کہ ہم نے تو اُس وعدے کو بالکل سچا پایا جو ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا، کیا تم نے بھی اُس وعدے کو سچا پایا جو تمھارے پروردگار نے (تم سے) کیا تھا؟[۳۵۷] وہ جواب دیں گے: ہاں۔ پھر ایک پکارنے والا اُن کے درمیان پکارے گا کہ خدا کی لعنت اِن ظالموں پر ــــــ (فرمایا): اِن پر جو (آج) اللہ کی راہ سے روکتے[۳۵۸] اور اُس میں کجی پیدا

۳۵۷؎ یہ سوال تفضیح کے لیے ہے۔ آگے اِس کا جواب نقل ہوا ہے۔ وہ بھی، اگر غور کیجیے تو مجرموں کا آخری اعتراف ہے جس کے بعد اُن کے اور اُن کی سزا کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں رہ جائے گی۔ جنت اور دوزخ کے لوگوں میں اِس سوال و جواب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہاں پہنچ کر انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں میں کیا انقلاب برپا ہو جائے گا کہ لوگ جب چاہیں گے اور جہاں سے چاہیں گے، ایک دوسرے کو مخاطب کر لیں گے۔

۳۵۸؎ اصل میں لفظ 'یَصُدُّوْنَ' آیا ہے۔ یہ لازم اور متعدی، دونوں معنوں میں آتا ہے۔ ترجیح کا قرینہ نہ ہو تو

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٥﴾

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ

کرنا چاہتے ہیں[359] اور آخرت کے منکر ہیں[360]۔ ۴۴-۴۵

اِن دونوں گروہوں کے درمیان پردے کی دیوار ہوگی[361] اور دیوار کی برجیوں پر کچھ نمایاں اور ممتاز لوگ ہوں گے[362] جو ہر ایک کو اُس کی علامت[363] سے پہچانیں گے اور جنت کے لوگوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو ــــ یہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، مگر امیدوار ہوں گے (کہ داخل ہو جائیں

اِسے متعدی مفہوم میں لینا چاہیے، اِس لیے کہ متعدی لازم کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔

۳۵۹؎ قرآن کے نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توحید کی صراط مستقیم میں کجی پیدا کر کے شرک کی پگ ڈنڈیاں نکالنے کی تعبیر ہے۔

۳۶۰؎ 'اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ' سے یہاں تک یہ پورا ٹکڑا منادی کے اعلان کا حصہ نہیں ہے۔ اُس کا اعلان آیت میں 'الظّٰلِمِيْنَ' پر ختم ہو گیا ہے۔ اُس کے بعد یہ ٹکڑا اللہ تعالیٰ کی طرف بطور تضمین ہے جس نے کلام کو بالکل مطابق حال کر دیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اِس تضمین سے گویا یہ وضاحت ہوگئی کہ ظالمین سے مراد کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا کہ وہی لوگ جو آج اللہ کی راہ سے لوگوں کو روک رہے ہیں، جو اُس میں کجی پیدا کرنے کے لیے ساعی ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔ اِس وضاحت کے بعد آخرت میں ہونے والی منادی وقت کے قریش پر ٹھیک ٹھیک اِس طرح چسپاں ہوگئی، گویا جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۲۶۵)

۳۶۱؎ اصل میں لفظ 'حِجَاب' استعمال ہوا ہے۔ اِس سے مراد وہ دیوار ہے جو دوزخ اور جنت کے درمیان کھڑی کر دی جائے گی۔ سورۂ حدید (۵۷) کی آیت ۱۳ میں اِس کا ذکر ہے۔

۳۶۲؎ آیت کے الفاظ ہیں: 'وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ'۔ لفظ 'اَعْرَاف' کے معنی بلندیوں کے ہیں۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں یہ اُن برجیوں اور دیدبانوں کے لیے آیا ہے جو اطراف وجوانب کو دیکھنے کے لیے اُس دیوار پر بنی ہوں گی جو دوزخ اور جنت کے درمیان کھڑی کی جائے گی۔ لفظ 'رِجَال' جب اِس طریقے سے آتا ہے، جس طرح

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اَبْصَارُھُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾
وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَھُمْ بِسِيْمٰھُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰی عَنْكُمْ

گے[۳۶۴])۔اُن کی نگاہیں جب دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو[۳۶۵] (بے اختیار) کہیں گے: پروردگار، ہمیں اِن ظالموں کا ساتھی نہ بنانا[۳۶۶]۔(اِس کے بعد) یہ برجیوں والے (دوزخ کے) کچھ نمایاں لوگوں[۳۶۷] کو پکاریں گے، جنھیں یہ اُن کی علامت سے پہچانتے ہوں گے۔ یہ (اُن سے) کہیں گے: کیا کام

یہاں آیا ہے تو اِس سے نمایاں اور ممتاز شخصیتیں مراد ہوتی ہیں۔ یہاں اِس سے امتوں کے رجال مراد ہیں جو دنیا میں حق کے علم بردار اور خیر کے داعی بن کر کھڑے ہوئے۔

۳۶۳؎ یعنی اُس علامت سے جو لوگوں کے اعمال کے اثرات سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہو جائے گی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو وضو کے آثار سے پہچانیں گے، جن سے اُن کی پیشانیاں اور چہرے چمک رہے ہوں گے۔* اِس نوعیت کے بعض اشارات قرآن میں بھی ہیں۔

۳۶۴؎ یہ الفاظ اُن کی ذہنی کیفیت کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں کہ یہ سارا اعزاز و اکرام دیکھنے کے باوجود اپنی تواضع اور فروتنی کے سبب سے وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ پروردگار کا فیصلہ جب تک صادر نہیں ہو جاتا، اُس کی رحمت کی امید ہی کی جا سکتی ہے۔

۳۶۵؎ آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ جنت کے نظارے میں اُن کی محویت کو دیکھ کر اُنھیں توجہ دلائی جائے گی کہ ذرا ایک نظر اِن اہل دوزخ پر بھی ڈال لیجیے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ جنت اور دوزخ کا یہ مشاہدہ اُنھیں اِس لیے کرایا جائے گا کہ حق و باطل، دونوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اہل حق کو بشارت دیں اور حق کے دشمنوں کی فضیحت کے لیے اُن کو سرزنش کریں۔

۳۶۶؎ یہ تعوذ کے الفاظ ہیں جو دوزخ والوں پر نظر پڑتے ہی بے اختیار اُن کی زبان سے نکلیں گے۔ اِن سے جہنم کے مناظر کی ہول ناکی بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ کمال خشیت بھی جس کے ساتھ وہ اِن مناظر کو دیکھ رہے ہوں گے۔

۳۶۷؎ یہاں بھی اصل میں وہی لفظ 'رِجَال' ہے جس کے بارے میں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ جب اِس طریقے سے آتا ہے، جس طرح اِن آیتوں میں آیا ہے تو اِس سے کسی گروہ یا جماعت کے بڑے اور نمایاں لوگ مراد

* مسلم، رقم ۵۰۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جَمۡعُکُمۡ وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَھٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُھُمُ اللّٰہُ
بِرَحۡمَۃٍ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾
وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا
رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَھُمۡ
لَھۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡھُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا فَالۡیَوۡمَ نَنۡسٰھُمۡ کَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ یَوۡمِھِمۡ ھٰذَا

آئے تمھارے جتھے اور تمھارا وہ تکبر جو تم کیا کرتے تھے! (ذرا جنت کی طرف دیکھو)، کیا یہی ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ کبھی اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہو سکتے؟[۳۶۸] (جنت کے لوگو)، تم (اپنی اِس) جنت میں داخل رہو،[۳۶۹] اب نہ تمھارے لیے کوئی خوف ہے اور نہ تم کبھی غم زدہ ہو گے۔ ۴۶-۴۹

اہل جنت کو (دیکھ کر) یہ دوزخ والے آواز دیں گے کہ (اپنے ہاں کا) کچھ پانی یا کچھ روزی جو اللہ نے تمھیں عطا فرمائی ہے، ہمیں بھی عنایت کرو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں منکروں کے لیے حرام کر رکھی ہیں[۳۷۰] ـــــ (فرمایا)[۳۷۱]: اُن کے لیے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور جنھیں

ہوتے ہیں۔ آگے وضاحت ہے کہ اِن کی علامتیں اِنھیں دوسروں سے ممتاز کر دیں گی، لہٰذا پہچانے جائیں گے کہ یہ فرعون ہے، یہ ابوجہل اور ابولہب ہے اور یہ فلاں اور فلاں ہے۔

۳۶۸؎ قرآن میں کئی جگہ بیان ہوا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے منکرین نے اُن کے پیرووں کو اُن کی غریبی اور کمزوری کے سبب سے بالعموم اِسی نظر سے دیکھا اور اُن کے بارے میں اِسی اعتماد سے دعوے کیے ہیں کہ جنھیں خدا نے دنیا میں کچھ نہیں دیا، وہ آخرت میں اُس کی رحمتوں کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔

۳۶۹؎ اصل میں لفظ 'اُدۡخُلُوۡا' آیا ہے۔ یہ اپنے ابتدائی معنی میں نہیں، بلکہ تمکن و استمرار کے مفہوم میں ہے۔ سورۂ یوسف کی آیت 'اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ'* میں بھی یہی مفہوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے تمھیں جنت سے سرفراز فرمایا ہے، تم اِس میں سرفراز رہو، تمھارے لیے اب نعمت ہی نعمت ہے۔

---

*یوسف ۱۲: ۹۹۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ

دنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کیے رکھا۔[۳۷۲] سو آج ہم اُنھیں اُسی طرح بھلا دیں گے،[۳۷۳] جس طرح وہ اپنے اِس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے[۳۷۴] ــــــ (اِس[۳۷۵] وقت، اے پیغمبر)، ہم (تیری قوم کے) اِن لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں، جس کی تفصیل ہم نے علم قطعی کی بنیاد پر کی ہے،[۳۷۶] اُن کے لیے ہدایت و رحمت بنا کر جو ایمان لائیں۔[۳۷۷] کیا یہ اِسی

۳۷۰ مطلب یہ ہے کہ اُنھیں حتمی طور پر اِن سے محروم رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے، اِس لیے یہ نعمتیں نہ اُن کو پہنچ سکتی اور نہ وہ کسی طرح اِنھیں پا سکتے ہیں۔

۳۷۱ یہاں سے آگے پھر ایک تضمین ہے۔ قریش کی تنبیہ کے لیے اہل جنت کے جواب کے ساتھ ملا کر اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے کہ منکرین سے کون لوگ مراد ہیں۔

۳۷۲ یہ وجہ بیان ہوئی ہے کہ اُنھوں نے اِس طرح کا لاابالیانہ طرز عمل کیوں اختیار کیا۔ فرمایا: اِس لیے کہ دنیا میں عیش اور آزادی کے ساتھ جینے کی جو مہلت اُنھیں دی گئی، وہی اُنھیں دھوکے میں ڈالنے کا باعث بن گئی اور اُنھوں نے خیال کیا کہ دنیا بس اِسی لیے پیدا ہوئی ہے کہ بابر بہ عیش کوش۔

۳۷۳ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولتا نہیں، چنانچہ لازم مقصود ہے، یعنی نظر انداز کر دیں گے۔

۳۷۴ اصل الفاظ ہیں: 'مَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ'۔ پچھلے جملے پر عطف نے اِس فقرے میں 'کما کانوا' کا مفہوم پیدا کر دیا ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۳۷۵ یہاں سے آگے روے سخن قریش کی طرف ہے۔ یہ انذار کی سورہ ہے اور اِس کے مخاطب بھی وہی ہیں، اِس لیے کلام بار بار اُن کی طرف لوٹتا ہے۔

۳۷۶ یعنی ایسے علم کی بنیاد پر جو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے اور بالکل اٹل ہے۔ آیت میں اِس کے لیے لفظ 'عِلۡم' آیا ہے جس کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی صورت میں ایک ایسی کتاب اِن کے پاس آئی ہے جس میں ہم نے اپنے علم قطعی کی روشنی میں اُن تمام امور کی تفصیل کر دی ہے جن کو ماننا اور جن پر عمل کرنا آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الَّذِیۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَیَشۡفَعُوۡا لَنَآ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾

کے منتظر ہیں کہ (جس چیز کی خبر دی جا رہی ہے)، اُس کی حقیقت سامنے آ جائے۔ جس دن اُس کی حقیقت سامنے آ جائے گی تو یہی لوگ جنھوں نے اِس سے پہلے اُسے نظر انداز کر دیا تھا، کہیں گے کہ بے شک، ہمارے پروردگار کے بھیجے ہوئے پیغمبر بالکل سچی بات لے کر آئے تھے۔ پھر کیا ہیں کوئی ہمارے سفارشی کہ ہمارے حق میں سفارش کر دیں یا (ہے کوئی صورت کہ) ہمیں لوٹا دیا جائے کہ ہم اُس کے خلاف عمل کریں جو پہلے کرتے رہے ہیں!! (افسوس)، ان لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا اور جو کچھ افترا یہ کرتے رہے[۳۷۸]، وہ سب اِن سے جاتے رہے۔ ۵۰-۵۳

۳۷۷؎ اصل الفاظ ہیں: 'هُدًی وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ'۔ اِن میں فعل ارادۂ فعل کے معنی میں ہے، یعنی جو ماننا چاہیں، اُن کے لیے دنیا میں ہدایت اور نتیجے کے طور پر آخرت میں رحمت بنا کر۔

۳۷۸؎ یعنی خدا پر جھوٹ باندھ کر اُس کے شریک ٹھیراتے اور اپنی طرف سے بدعتیں ایجاد کرتے رہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد رفیع مفتی

عزت اور بزرگی کا حقیقی مالک

(۷۲)

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ وَأَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: الْعِزُّ إِزَارُهُ وَالْكِبْرِیَاءُ رِدَاؤُهُ فَمَنْ یُنَازِعُنِیْ عَذَّبْتُهُ.

(مسلم، رقم ۲۶۲۰)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عزت اللہ کی ازار اور بزرگی اس کی ردا ہے، چنانچہ (وہ فرماتا ہے کہ) جو اِن میں میرا مقابلہ کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔

توضیح:

حقیقی عزت اور بزرگی، بڑائی اور عظمت صرف اور صرف خدا کے لیے ہے، وہی ان کا اصل حق دار اور مالک ہے۔ اس کے علاوہ جس کسی کو بھی کچھ عزت اور بڑائی حاصل ہے، اس کی عطا کردہ ہے۔ لہٰذا جو شخص خدا کے مقابل میں عزت دار بنتا اور بزرگی کو اپنا حق سمجھتا ہے، وہ اپنے اس رویے سے گویا خدا کی ملکیت کو اس سے چھینتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ایسے شخص کو عذاب دے گا۔

اظہار تکبر کی مناہی

(۷۳)

عَنِ بْنِ أَبِی لَیْلٰی قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ حُذَیْفَةَ وَذَکَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَشْرَبُوْا فِیْ آنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الْحَرِیْرَ وَالدِّیْبَاجَ فَإِنَّهَا لَهُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَکُمْ فِی الْآخِرَةِ. (بخاری، رقم ۵۶۳۳)

حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے، تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چھیڑا اور یہ بتایا کہ آپ نے فرمایا ہے: سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیا کرو اور ریشم و دیبا نہ پہنا کرو، کیونکہ یہ چیزیں ان (کفار) کے لیے دنیا میں ہیں اور تمھارے لیے آخرت میں ہوں گی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

(۷۴)

عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَّشْرَبَ فِیْ آنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَّأْکُلَ فِیْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِیْرِ وَالدِّیْبَاجِ وَأَنْ نَّجْلِسَ عَلَیْهِ. (بخاری، رقم ۵۸۳۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے روکا ہے اور آپ نے ہمیں ریشم اور دیبا کے کپڑے پہننے اور ان (کی بنی ہوئی گدیوں وغیرہ) پر بیٹھنے سے روکا ہے۔

(۷۵)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ شَرِبَ

فِیْ إِنَاءٍ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهِ نَارًا مِّنْ جَهَنَّمَ.

(مسلم، رقم ۵۳۸۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے، وہ تو بس جہنم کی آگ کو اپنے پیٹ میں غٹ غٹ اتار رہا ہے۔

توضیح:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے جن سے امارت کی نمایش ہوتی ہو یا وہ بڑائی مارنے، شیخی بگھارنے اور دوسروں پر رعب جمانے کا ذریعہ بنتی ہوں۔ چنانچہ آپ نے سونے اور چاندی کے قیمتی برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ جو شخص ان برتنوں میں کھاتا پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی بتایا کہ یہ برتن دنیا میں تو ان کفار کے لیے ہیں، لیکن آخرت میں یہ مومنین کے لیے ہوں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اعمال تواضع کا حکم اور اعمال تکبر کی مناہی

(۷۶)

عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجِنَازَةِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيْمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الشُّرْبِ فِی الْفِضَّةِ ـــــ أَوْ قَالَ آنِيَةِ الْفِضَّةِ ـــــ وَعَنِ الْمَيَاثِرِ وَالْقَسِّيِّ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ.

(بخاری، رقم ۵۶۳۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے روکا ہے: آپ نے ہمیں بیمار کی عیادت کرنے، جنازے میں شامل ہونے، چھینک کے جواب میں 'یرحمك اللّٰه' کہنے، دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے، سلام کو پھیلانے، مظلوم کی مدد کرنے اور قسم کھانے والے کو قسم پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے ہمیں سونے کی انگوٹھیاں پہننے سے، چاندی میں پینے —— یا فرمایا چاندی کے برتنوں میں پینے سے —— (زین یا کجاوے پر) ریشم کا گدا استعمال کرنے سے، وہ مصری کپڑا استعمال کرنے سے جس میں ریشم کے دھاگے بھی ہوتے ہیں اور ریشم و دیبا اور استبرق استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

(۷۷)

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَإِبْرَارِ الْقَسَمِ أَوِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيْمَ —— أَوْ عَنْ تَخَتُّمٍ بِالذَّهَبِ —— وَعَنْ شُرْبٍ بِالْفِضَّةِ وَعَنِ الْمَيَاثِرِ وَعَنِ الْقَسِّيِّ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ. (مسلم، رقم ۵۳۸۸)

عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ ... وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ فَإِنَّهُ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِي الْآخِرَةِ. (مسلم، رقم ۵۳۹۰)

حضرت معاویہ بن سوید بن مقرن (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں حضرت براء بن عازب کے پاس آیا تو میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں

کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے روکا ہے: آپ نے ہمیں بیمار کی عیادت کرنے، جنازے میں شامل ہونے، چھینک کے جواب میں 'یرحمك اللّٰہ' کہنے، قسم کو پورا کرنے یا قسم کھانے والے کو قسم پورا کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے اور سلام کو پھیلانے کا حکم دیا ہے اور آپ نے ہمیں (سونے کی) انگوٹھیوں سے ـــــ یا (فرمایا:) سونے کی انگوٹھیاں پہننے سے ـــــ چاندی (کے برتنوں) میں پینے سے، (زین یا کجاوے پر) ریشم کا گدا استعمال کرنے سے، وہ مصری کپڑا استعمال کرنے سے جس میں ریشم کے دھاگے بھی ہوتے ہیں اور ریشم و استبرق اور دیبا استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت اشعث بن ابی شعثاء سے روایت ہے کہ... آپ نے چاندی کے برتنوں میں پینے سے روکا ہے، کیونکہ جو شخص دنیا میں ان میں پیے گا، وہ آخرت میں ان میں نہیں پیے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

توضیح:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو وہ سات اعمال صالحہ بجالانے کا حکم دیا جو تواضع کا اظہار ہیں اور ان سات اعمال سے منع فرمایا جو تکبر کا اظہار ہیں۔

وہ اعمال جنھیں آپ نے بجالانے کا حکم دیا، وہ یہ ہیں:

۱۔ بیمار کی عیادت کرنا

۲۔ جنازے میں شامل ہونا

۳۔ چھینک کے جواب میں 'یرحمك اللّٰہ' کہنا،

۴۔ دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا

۵۔ سلام کو پھیلانا

۶۔ مظلوم کی مدد کرنا

۷۔ اپنی قسم کو پورا کرنا

اور وہ اعمال جن سے آپ نے روکا، وہ یہ ہیں:

۱۔ سونے کی انگوٹھیاں پہننا

۲۔ چاندی کے برتنوں میں پینا

۳۔ ریشم کا گدا استعمال کرنا

۴۔ ریشم کے دھاگوں والا کپڑا استعمال کرنا

۵۔ ریشم کا لباس پہننا

۶۔ دیبا کا لباس پہننا

۷۔ استبرق کا لباس پہننا

نیز آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جو شخص دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں پیے گا، وہ آخرت میں ان میں پینے سے محروم رہے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متکبرانہ وضع قطع کی مناہی

(۷۸)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ. (بخاری، رقم ۵۸۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اس موقع پر ڈاڑھی (کے بال درست کرنے کی غرض سے اس) کو مٹھی میں پکڑ کر اضافی بال کاٹ دیتے تھے۔

توضیح:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بعض مشرکین نے مونچھیں بڑھا کر اور ڈاڑھی منڈھا کر بڑی متکبرانہ شکل بنائی ہوئی ہے، تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم اپنے چہرے کی وضع قطع میں ان مشرکین کی مخالفت کرو، اپنی مونچھیں چھوٹی اور ڈاڑھی بڑی رکھو، یہ ڈاڑھی اور مونچھیں رکھنے کی متواضع صورت ہے۔

متکبرانہ لباس پہننے پر عذاب

(۷۹)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيْهِ نَارًا.

(ابن ماجہ، رقم ۳۶۰۷)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کوئی لباس پہنا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا اور پھر اس میں آگ بھڑکا دے گا۔

توضیح:

تکبر اپنی حقیقت میں بندگی کی نفی ہے۔ اس کا اظہار خواہ کسی صورت میں بھی ہو، یہ خدا کو سخت ناپسند ہے۔ انسان خدا کا بندہ ہے، اس کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ اس کی زمین پر اس کا بندہ بن کر جیے۔

اظہار تکبر کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان فاخرانہ لباس کے ذریعے سے دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔ اس حدیث میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جو شخص دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے اس طرح کا کوئی فاخرانہ لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ایسا لباس پہنائے گا جو دوسروں کی نگاہ میں اس کی ذلت کا باعث ہوگا اور پھر اس لباس کے اندر آگ بھڑکا دی جائے گی تاکہ وہ اپنے جرم کا پورا پورا بدلہ پائے۔

ازار لٹکانے کی مناہی

(۸۰)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ إِلَی مَنْ جَرَّ ثَوْبَہُ خُیَلَاءَ. (بخاری، رقم ۵۷۸۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا جو غرور سے اپنا تہ بند گھسیٹتے ہوئے چلتا ہو۔

(۸۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الَّذِیْ یَجُرُّ ثِیَابَہُ مِنَ الْخُیَلَاءِ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ إِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. (مسلم، رقم ۵۴۵۵)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غرور سے اپنا تہ بند گھسیٹتے ہوئے چلتا ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

(۸۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَرَّ ثَوْبَہُ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ إِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَقَالَ أَبُوْ بَکْرٍ: إِنَّ أَحَدَ شِقَّیْ ثَوْبِیْ یَسْتَرْخِیْ إِلَّا أَنْ أَتَعَاھَدَ ذٰلِکَ مِنْہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّکَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِکَ خُیَلَاءَ. (بخاری، رقم ۳۶۶۵)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

تکبر سے اپنا کپڑا زمین پر گھسیٹ کر چلے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے کپڑے کی ایک طرف لٹک جایا کرتی ہے، سوائے اس کے کہ میں ہر وقت اس کا دھیان رکھوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تکبر کی وجہ سے تھوڑا ہی یہ کرتے ہو۔

توضیح:

تکبر کے اظہار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے لباس یا اپنے ازار کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلے۔ اس حدیث میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اظہار تکبر کے لیے ایسا کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے اتنا ناراض ہوگا کہ وہ اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا، حالاں کہ اس دن ہر شخص خدا کی نظر کرم کا انتہائی محتاج ہو گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

بلال رضی اللہ عنہ

بلال کے والد کا نام رباح (یا ابو رباح) تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت کی کسی جنگ میں حبشہ سے قید ہو کر آئے تھے۔ بلال کی ولادت مکہ (یا سراۃ) میں ہوئی۔ ان کی والدہ حمامہ بھی جنگی قیدی تھیں، ان کا تعلق بنوجمح سے تھا۔ ان کی نسبت سے بلال کو بلال بن حمامہ بھی کہا جاتا ہے۔ بلال کی پرورش بنوجمح ہی میں ہوئی۔

بلال کا شمار السابقون الاولون (سبقت کرنے والے، اسلام لانے میں اول۔ توبہ:۱۰۰) میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے بعد وہ دوسرے بالغ مرد تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ اپنا اسلام ظاہر کرنے میں بھی وہ آگے آگے تھے، ان سات نفوس قدسیہ میں سے ایک جنھوں نے بہ بانگ دہل مسلمان ہونے کا اعلان کیا، (۱) خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے چچا ابوطالب نے مشرکین کی ایذا رسانیوں کے خلاف آپ کا ساتھ دیا۔ (۲) ابوبکر، ان کی قوم نے ان کو حفاظت میں رکھا۔ (۳) بلال، (۴) خباب بن ارت یا مقداد بن اسود، (۵) صہیب، (۶) عمار اور ان کی والدہ (۷) سمیہ۔ آخری چار اصحاب غلام تھے، ان کا کوئی قبیلہ نہ تھا جو انھیں پناہ دیتا۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں وہ مستضعفین (نسا:۹۹) میں سے تھے یعنی وہ اہل ایمان جنھیں دبا کر رکھا گیا ہو۔ ان کے آقا انھیں لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ شام کو وہ بے حال ہو جاتے تو انھیں چھوڑتے، اپنے اپنے گھر جا کر وہ جسموں پر پانی ڈالتے تو کچھ سکون ہوتا۔ ایک شام کو ابوجہل آیا، سمیہ کو گالی گلوچ کی، برا بھلا کہا اور نیزے کی انی مار کر ان کی جان لے لی۔ وہ اسلام کی پہلی شہید ہوئیں۔

بلال اسلام کے کٹے دشمن امیہ بن خلف کی غلامی میں تھے۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو امیہ نے ان کو سخت ایذائیں دینا شروع کر دیں۔ تیز دھوپ میں جلتی ریت پر لٹا دیتا اور مطالبہ کرتا، دین اسلام سے رجوع کر کے کفرو

شرک کی طرف لوٹ آ ؤ۔ان کے سینے پر یا الٹے منہ لٹا کر کمر پر بھاری پتھر (یا گائے کی کھال) رکھوا دیتا اور کہتا، لات و عزیٰ تمھارے رب ہیں۔ وہ پکارتے، اللہ واحد ہی میرا رب ہے۔امیہ کہتا،تم اسی طرح پڑے رہو گے حتیٰ کہ مر جاؤ یا محمد کا انکار کر کے لات وعزیٰ کی پوجا کرنے لگو۔ بلال کو پیٹا جاتا تو وہ ہر ضرب پر 'احد' (اللہ ایک ہے)، 'احد' (اللہ ایک ہے) پکارتے۔ کہا جاتا، وہ کفریہ کلمات کہو جو ہم بول رہے ہیں تو بلال جواب دیتے، میری زبان ان کو ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ابوجہل بھی ان پر تشدد کرنے میں شریک تھا۔ ورقہ بن نوفل نے بلال کو سزائیں جھیلتے دیکھا تو کہا، اگر ان تکالیف سے تمھاری جان چلی گئی تو میں تمھاری قبر کو جائے برکت بنا لوں گا۔ بلال نے ہر طرح کی سختی برداشت کر لی تو ان کے گلے میں رسی ڈال دی گئی اور بچے مکہ کے دو بڑے پہاڑوں جبل ابوقبیس اور جبل احمر کے بیچ انھیں کھینچتے پھرے۔ اس حال میں بھی بلال احد، احد پکارتے رہے۔اسی دوران میں نبیٔ اکرم نے ابوبکر سے کہا، کاش ہمارے پاس کچھ مال ہوتا تو بلال کو خرید لیتے۔ آپ کے یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں، ابوبکر! بلال کو (آزادی میں) اپنا ساجھی بنا لو۔ ابوبکر امیہ کے پڑوسی تھے تاہم انھوں نے عباس بن عبدالمطلب کو اس سے بات کرنے کو کہا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے خود سودا کیا، امیہ کو اس کی منہ مانگی رقم ۷ اوقیہ (قریباً سوا ۲۳ تولے سونا، دوسری روایت: ۱۵ اوقیہ (۵۰ تولے) دے کر بلال کو خریدا اور پھر آزاد کر دیا۔ ایک روایت ہے کہ انھوں نے بلال کو اپنے سیاہ فام غلام کے تبادلے میں لیا۔ آزاد ہونے سے پہلے بلال پتھروں میں دبے ہوئے تھے۔ بعد میں یہی بلال ابوبکر کے خزانچی بن گئے۔ ابوبکر ہی کی نسبت سے انھیں قُرَشی وتیمی بھی کہا جاتا ہے۔

سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَانَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّھُمْ مِنَ الْاَشْرَارِ۔ اَتَّخَذْنٰھُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْھُمُ الْاَبْصَارُ ''، (روز قیامت) مشرکین آپس میں باتیں کریں گے، کیا بات ہے، ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھ رہے جنھیں ہم دنیا میں بری قسمت والا سمجھتے تھے۔ ہم نے یونہی ان سے ٹھٹھا کیا یا وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہیں؟ (آیات: ۶۲۔ ۶۳) مشہور مفسر مجاہد کہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ محشر کے دن ابوجہل اور دوسرے متمردین بلال اور دوسرے مستضعفین کے بارے میں یہ بات کریں۔

بلال نے حبشہ کو ہجرت نہ کی۔ مدینہ جانے کا موقع آیا تو سب سے پہلے مصعب بن عمیر اور عمرو بن ام مکتوم پہنچے۔ان کے بعد بلال اور عمار بن یاسر نے ہجرت کی۔ بلال نے سعد بن خیثمہ کے ہاں قیام کیا۔ مدینہ آمد کے فوراً بلال، ابوبکر اور عامر بن فہیرہ کو بخار چڑھ گیا۔ انھوں نے اسے مدینہ کی آب وہوا پر محمول کیا۔ بلال کا بخار ہلکا ہوا تو یہ شعر پڑھنے لگے،

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ بفخٍ و حولی اذخر و جلیل

(سنو! کاش مجھے علم ہوتا کہ میں مکہ کے مقام فخ میں اس حال میں رات بسر کروں گا کہ میرے گرد اذخر کی خوش بودار گھاس اور جلیل جیسی عام گھاس ہوگی)

و ھل اردن یوماً میاہ مجنۃ و ھل یبدون لی شامۃ و طفیل

(اور یہ کہ ایک دن میں مکہ کے نشیبی بازار مجنہ میں واقع چشموں کا پانی پینے آؤں گا اور مجھے شامہ اور طفیل کے پہاڑ نظر آئیں گے)

انھوں نے عتبہ، شیبہ اور امیہ پر لعنت بھی بھیجی کیونکہ انھی کی وجہ سے انھیں مکہ چھوڑ کر وبا کی سرزمین مدینہ آنا پڑا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا کہ ان کے صحابہ بخار کی وجہ سے ہذیانی کیفیت میں ہیں تو دعا فرمائی، اے اللہ! مدینہ ہمارے لیے محبوب بنا دے، ہم اس سے مکہ جیسی یا اس سے بڑھ کر محبت کریں۔ اسے ہماری صحت کا باعث بنا دے۔ اس کے پیمانوں، صاع (سیر اور پاؤ) و مُد (تولہ و ماشہ) میں برکت ڈال دے اور اس کے بخار کو جحفہ (مہیعہ) منتقل کر دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخثعم (اس کی ذیلی شاخ بنوفزع) کے ابورویحہ (عبداللہ بن عبدالرحمان) کو بلال کا انصاری بھائی قرار دیا۔ کچھ اہل تاریخ ابورویحہ کے ساتھ بلال کی مواخات کو نہیں مانتے، ان کا کہنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل ہی عبیدہ بن حارث کو ان کا بھائی قرار دے چکے تھے۔ عبیدہ ان تین صحابہ میں سے ایک تھے جنھوں نے جنگ بدر کے دن دعوت مبارزت دی۔ ان کا ہاتھ کٹ گیا اور اسی زخم سے ان کی وفات ہوئی۔ ابن اثیر کا عبیدہ کے بجائے ابوعبیدہ بن جراح کا نام بتانا شاید ایک مغالطہ ہے۔ ابن اسحاق نے ابورویحہ والی روایت کی پرزور تائید کرتے ہوئے لکھا ہے، خلیفۂ ثانی عمر بن خطاب نے جب دیوان ترتیب دیے، بلال جہاد کی غرض سے شام میں مقیم تھے۔ سیدنا عمر نے ان سے پوچھا، آپ اپنا دیوان (فوجیوں اور ان کے وظیفوں کی فہرست) کس کے ساتھ رکھوائیں گے؟ انھوں نے جواب دیا، ابورویحہ کے ساتھ، میں ان سے کبھی جدا نہ ہوں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور ان کے بیچ عقد قائم فرمایا تھا۔ تب سیدنا عمر نے بلال اور دوسرے اہل حبشہ کا دیوان بنوخثعم کے ساتھ منسلک کر دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، یہ دیوان (ریکارڈ) ان کے زمانے میں بھی اسی طرح شام میں پڑا ہوا تھا۔

بلال اسلام کے پہلے مؤذن تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خازن، آپ کے معاون اور پیش کار بھی رہے۔ ہجرت کے بعد مسلمان مدینہ آئے تو کسی پکار کے بغیر نماز ادا کرنے مسجد پہنچ جاتے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کی ذمہ داری لگائی کہ نماز کے وقت الصلاۃ جامعۃ (نماز جمع ہونے کی دعوت دے رہی ہے یعنی نماز کے لیے

اکٹھا ہونے کا وقت ہو گیا ہے) کی آواز بلند کریں۔اس کے بعد ناقوس کھڑکھڑانے، بگل بجانے یا آگ جلانے کے مشورے دیے گئے لیکن اہل کتاب سے مشابہت کی وجہ سے ان پر عمل نہ ہوا۔آخر کار ایک انصاری عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذان کے الفاظ الہام ہوئے۔انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو اپنا خواب سنایا تو آپ نے فرمایا، یہ خواب سچا ہے۔بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر انھیں یہ کلمات سکھاؤ۔وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سب سے بلند آواز رکھتے ہیں۔بلال نے اذان دی، سیدنا عمر اپنے گھر میں تھے، سن کر جلدی جلدی نکلے۔ان کی چادر گھسٹ رہی تھی، بولے اللہ کے نبی! اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے۔شبلی نعمانی کہتے ہیں، اذان حضرت عمر کی تجویز پر شروع کی گئی۔ان کا کہنا ہے کہ بخاری کی روایت کو ترجیح دی جائے گی جس میں ابن عبدربہ کا نہیں بلکہ عمر کا نام مذکور ہے۔زہری کا کہنا ہے، اگلے دن بلال نے فجر کی اذان دی تو الصلاۃ خیر من النوم، نماز نیند سے بہتر ہے کے الفاظ بڑھا دیے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں برقرار رکھا۔آپ نے اقامت میں قد قامت الصلٰوۃ، نماز کھڑی ہو گئی ہے کے الفاظ کا اضافہ بھی فرمایا۔بعد میں عمرو بن ام مکتوم اور بلال باری باری سے اذان دینے لگے۔اگر دونوں موجود نہ ہوتے تو یہ ذمہ داری ابومحذورہ کی ہوتی، عہد نبوی کے چوتھے مؤذن سعد قرظ (سعد بن عائذ) تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان میں کلمات دو دو دفعہ جب کہ اقامت میں ایک ایک دفعہ کہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بلال کانوں میں انگلیاں دے کر اذان دیتے تھے جب کہ عبداللہ بن عمر ایسا نہ کرتے۔ابوجحیفہ کہتے ہیں، میں نے بلال کو اذان دیتے دیکھا، میں ان کے منہ کو دیکھتا رہا کہ ادھر ادھر کو گھوم رہا ہے۔یعنی وہ حی علی الصلاۃ کہتے ہوئے منہ دائیں طرف اور حی علی الفلاح کہنے کے وقت بائیں طرف موڑ لیتے تھے۔

سورج ڈھلتا تو بلال ظہر کی اذان دے دیتے، اقامت کچھ دیر بعد کہتے۔اقامت میں کچھ تاخیر بھی کر دیتے لیکن اذان وقت سے موخر نہ ہونے دیتے۔اذان دینے کے بعد بلال حجرۂ مبارکہ کے دروازے پر جاتے، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کے الفاظ دہراتے اور نماز، یا رسول اللہ! کہہ کر آپ کو مطلع کرتے۔رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر مسجد میں تشریف لاتے تو بلال آپ کو دیکھتے ہی اقامت کہنا شروع کر دیتے۔ابوذر بتاتے ہیں، ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ مؤذن (بلال) نے (ظہر کی) اذان دینا چاہی۔آپ نے (روک دیا اور) فرمایا، دن ٹھنڈا ہو لینے دو۔(کچھ دیر کے بعد) وہ اذان دینے لگے تو بھی آپ نے یہی فرمایا۔تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا، ٹھنڈا ہونے لینے دو حتیٰ کہ سایہ ٹیلوں کے برابر (ہم مثل)

ہو جائے۔ بلا شبہ گرمی کی شدت جہنم کا جوش ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں، ایک دن بلال اذان دینے کے لیے میذنہ (چبوترہ یا مینار) پر چڑھے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے،

ما لبلال ثكلته امه وابتل من نضح دم جبينه

بلال کو کیا ہوا، اس کی ماں اسے گم پائے اور خون سے اس کی پیشانی تر ہو جائے

مدینہ کی ایک سرد صبح کو بلال نے اذان دی، نبی صلی اللہ علیہ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو مسجد میں کوئی نہ تھا۔ پوچھا، لوگ کہاں ہیں؟ بلال نے جواب دیا، انھیں جاڑے نے روک لیا ہے۔ تب آپ نے دعا فرمائی، اللہ! ان کا پالا دور کر دے۔ بلال کہتے ہیں، شام تک مسجد میں نمازیوں کی رونق ہوگئی۔

ایک بار ماہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، بلال رات ہی میں اذان دے دیتے ہیں تاکہ تہجد پڑھنے والوں کو متنبہ اور سوئے ہوؤں کو بیدار کر دیں۔ تم کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی آواز بلند ہو۔ پھر فرمایا، عمرو بن مکتوم نابینا ہیں، لوگ کہتے ہیں، صبح ہوگئی، صبح ہوگئی تو ہی اذان دیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بلال نے بدر، احد، خندق اور تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہ کر شرکت کی۔ جنگ بدر میں انھوں نے زید بن ملیص اور اپنے پرانے آقا امیہ بن خلف کو جہنم واصل کیا۔ دوسری روایت کے مطابق زید مقداد بن عمرو کے ہاتھوں قتل ہوا۔ امیہ اور عبدالرحمان بن عوف کا آپس میں معاہدہ تھا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں ایک دوسرے کے متعلقین کی حفاظت کریں گے۔ اسی معاہدے کے مطابق بدر میں امیہ اور اس کے بیٹے علی نے ہتھیار ڈال دیے تاکہ جنگی قیدی بن کر قتل ہونے سے بچ جائیں۔ عبدالرحمان ان دونوں کو محفوظ جگہ پر منتقل کرنے کے لیے ایک پہاڑی کی اوٹ میں لے جا رہے تھے کہ بلال نے دیکھ لیا اور کہا، یہ تو رئیس الکفار امیہ ہے۔ عبدالرحمان نے کہا، بلال! اس وقت یہ میری قید میں ہے۔ بلال بولے، اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا پھر بلند آواز سے پکارے، او اللہ کے انصار! دیکھو یہ امیہ جا رہا ہے۔ بلال کی آواز پر لپکنے والے انصاری مسلمانوں نے امیہ اور علی کو گھیرے میں لے کر تلواروں کی زد پر رکھ لیا، عبدالرحمان نے اپنے آپ کو امیہ پر گرا کر اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن انصار نے ان کے جسم کے نیچے سے وار کر کے آناً فاناً اسے قتل کر دیا، اس کا بیٹا پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ امیہ کو بچانے کی کوشش میں ایک زخم عبدالرحمان کے پاؤں پر بھی لگا۔ وہ کہا کرتے تھے، اللہ بلال پر رحم کرے، میرے قیدی کے معاملے میں مجھے پریشان کیا۔ ابن اثیر نے امیہ کو ٹھکانے لگانے والوں مسلمانوں کے یہ نام لکھے ہیں: بلال، خبیب اور رفاعہ بن رافع انصاری۔

غزوۂ ذات الرقاع (۴ھ) میں جابر بن عبداللہ اپنے مریل اونٹ کی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا، جابر! کیا بات ہے؟ آپ کو معلوم ہوا تو سواری سے اترے اور لاٹھی سے اونٹ کی نکیل کھینچی (یا اسے ضرب لگائی) اور جابر سے کہا، اب تم سوار ہو جاؤ۔ اونٹ دوڑنے لگا حتی کہ جابر اسے آپ سے آگے جانے سے روکتے۔ پھر آپ نے ایک اوقیہ (۳۳:۳ تولے، ۴ دینار) سونے کے بدلے میں وہ اونٹ خرید لیا۔ مدینہ لوٹ کر جابر اونٹ آپ کے حوالے کرنے آئے تو آپ نے ان کے لیے دعا کی اور بلال کو بلا کر ایک اوقیہ دینے کی ہدایت فرمائی۔ بلال نے سونا تولا اور کچھ وزن بڑھا دیا۔ جابر رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان کو بلا کر اونٹ واپس کر دیا اور قیمت بھی انھی کے پاس رہنے دی۔

۵ھ میں جنگ خندق ہوئی۔ مشرکین کے ساتھ جنگ میں مصروف ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی عصر کی نماز رہ گئی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی چار نمازیں ادا نہ کر سکے۔ اسی طرح رات کا ایک حصہ گزر گیا تب آپ نے بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، اذان دینے کے بعد انھوں نے اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، انھوں نے پھر اقامت کہی تو آپ نے عصر پڑھائی، بلال نے تیسری اقامت کہی تو آپ نے مغرب کی جماعت کرائی۔ آخری اقامت کے بعد عشا ادا کی۔

غزوۂ ذی قرد (۶ھ) میں سلمہ بن اکوع نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشیوں کو ہانک لے جانے والے مشرکوں کو مار بھگایا اور تمام مویشی چھڑا لائے۔ تب بلال نے ایک اونٹ ذبح کر کے اس کی کوہان اور کلیجی بھون کر آپ کو کھانے کے لیے پیش کی۔

جنگ خیبر (۷ھ) میں ابوحقیق کا قموص نامی قلعہ فتح ہوا تو بلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صفیہ بنت حیی اور ایک یہودی عورت کو لے کر آئے۔ یہ دونوں جنگ میں قید ہوئی تھیں، بلال جنگ میں قتل ہونے والے یہودی مقتولین کے پاس سے گزرے تو وہ یہودیہ بین کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا، بلال! کیا تم سے رحم سلب کر لیا گیا ہے جو عورتوں کو ان کے مرد مقتولوں کے پاس لے آئے؟ یہودی عورت کو تو آپ نے واپس بھیج دیا اور صفیہ پر اپنی چادر ڈال دی۔ یہ اشارہ تھا کہ آپ نے انھیں اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ تین دن کے سفر کے بعد آپ نے سد صہبا کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور صحابہ کو اپنے ولیمے پر مدعو کیا۔ آپ نے بلال کو چادریں بچھانے کے لیے کہا جن پر کھجوریں، پنیر اور گھی رکھ کر کھانے کے لیے پیش کیے گئے۔ ولیمے میں روٹی اور گوشت نہ تھے۔

جنگ خیبر کے موقع پر ایک مدعی اسلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دوزخی ہے۔ جنگ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے دوران میں وہ شدید زخمی ہو گیا تو درد کی شدت برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اپنا گلا کاٹ ڈالا۔تب صحابہ کا تعجب ختم ہوا اور انھوں نے کہا، یارسول اللہ! اللہ نے آپ کے ارشاد کو سچ ثابت کر دیا ہے۔آپ نے بلال کو حکم دیا، لوگوں میں اعلان کر دو، جنت میں مسلمان شخص ہی داخل ہو گا البتہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایک فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے۔اسی غزوہ سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی فجر کی نماز قضا ہو گئی۔جس رات کو یہ واقعہ ہوا، لیلۃ التعریس کہلاتی ہے۔تعریس کے معنی ہیں: رات بھر سفر کرنے کے بعد آخری پہر میں آرام کرنا۔رات کے لمبے سفر کے بعد لوگوں کے کہنے پر آپ کچھ ستانے کے لیے لیٹے اور پوچھا، کون ہماری فجر کی حفاظت کرے گا؟ کہیں ہم سوتے نہ رہ جائیں۔بلال نے کہا، میں کروں گا۔باقی صحابہ سو گئے لیکن بلال کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے، کچھ دیر کے بعد وہ اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور طلوع فجر کا انتظار کرنے لگے۔اس حالت میں ان پر بھی نیند غالب آ گئی۔چنانچہ نماز کے وقت پر کوئی بھی نہ اٹھ پایا۔سورج بلند ہو گیا تو سب سے پہلے آپ بیدار ہوئے اور فرمایا، بلال! یہ آپ نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے جواب دیا، مجھ پر بھی اسی نیند کا غلبہ ہو گیا جو آپ پر طاری ہوئی۔فرمایا، سچ کہا۔پھر آپ اپنی اونٹنی کو تھوڑی دور تک چلا کر لے گئے اور وہاں اتر کر وضو کیا۔باقی لوگ بھی وضو کر چکے تو بلال کو اقامت کہنے کو کہا اور اسی طرح نماز پڑھی جیسے وقت پر ادا فرماتے تھے۔نماز پڑھانے کے بعد آپ نے فرمایا، جو مسلمان نماز پڑھنا بھول جائے اس وقت نماز ادا کرے جب اس کو یاد آئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ عمرۂ قضا کے لیے مکہ گئے تو سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے آپ کو مکہ سے نکل جانے کو کہا۔آپ نے بلال کو حکم دیا کہ سورج ڈوبنے سے پہلے مکہ میں کوئی صحابی نہ رہے۔

فتح مکہ (۸ھ) کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ آپ کے ساتھ تھے۔آپ کے داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔آپ نے اندر کافی وقت گزارا اور نوافل ادا کرنے کے بعد باہر تشریف لے آئے جب کہ بلال نے مزید تاخیر کی۔دروازہ کھلنے کے فوراً بعد عبداللہ بن عمر آئے اور بلال سے پوچھ کر دونوں ستونوں کے درمیان آپ کے نوافل پڑھنے کی جگہ متعین کی اور دو رکعتیں ادا کیں۔بعد ازاں انھیں جب بھی بیت اللہ کے اندر جانے کا موقع ملتا، اسی جگہ نماز پڑھتے۔اہل تاویل نے بلال کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے فضل بن عباس کے قول کو تسلیم نہیں کیا کہ آپ نے بیت اللہ کے اندر نماز نہیں پڑھی۔

[باقی]

ڈاکٹر زاہد منیر عامر*

دمشق میں پہلا دن

(جامع اموی، مزار حضرت یحییٰ، راس الحسین اور مرقد صلاح الدین ایوبی)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صبح ساڑھے تین بجے آنکھ کھلی چار بجے گاڑی کو آنا تھا جو نہ آئی۔ جامعہ اردنیہ میں میرے میزبان ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نے کہا تھا کہ اگر ساڑھے چار تک گاڑی نہ آئی تو آپ مجھے فون کر لیجیے گا بار بار فون ملانے کی کوشش بالآخر کامیابی ہوگئی ڈاکٹر صاحب نے وعدہ خلافی کرنے والوں پر بے دریغ لعنت بھیجی اور کہا میں پانچ دس منٹ میں آتا ہوں۔ پونے پانچ تک وہ میرے ہوٹل پہنچے اور ہم عمان کی ویران سڑکوں پر رواں دواں ہو گئے۔ اکا دکا گاڑیاں، اشارے روشن، پہاڑوں، درختوں اور نئی طرز کی عمارتوں کے جلو میں ہم ایرپورٹ کی سمت بڑھ رہے تھے۔ راستے میں بیرونی ممالک میں قائم اردو چیرز کے مسائل موضوعِ سخن رہے۔ ساڑھے پانچ بجے ہم عمان کے ملکہ عالیہ ایرپورٹ پر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے مـغـادرون یعنی ڈیپارچرز کے دروازے میں ڈالا اور رخصت ہو گئے۔ اندر ایک عجیب خموشی کی کیفیت تھی کوئی چہل پہل نہیں تھی میں نے خیال کیا شاید صبح کے اس پہر کے باعث ایسا ہے لیکن میں داخل ہو کر آگے بڑھ رہا تھا کہ ایرپورٹ کے ایک کارندے نے میری منزل اور ایرلائن دریافت کی۔ جواب ملنے پر بتایا کہ آپ کا ٹرمینل نمبر ایک ہے۔ جلد ہی باہر نکلا ڈاکٹر صاحب گاڑی اور سگریٹ سٹارٹ کر چکے تھے۔ شکر ہے انھوں نے میرا اشارہ دیکھ لیا چنانچہ ہم پیدل ملکہ عالیہ ایرپورٹ کے نئے ٹرمینل نمبر ایک کی سمت بڑھے۔ میں ایک بار پھر ڈاکٹر صاحب سے رخصت ہو کر اندر داخل ہوا۔ اندر ایک لمبی قطار ہر کاؤنٹر پر All Departures کے بورڈ چمک رہے تھے۔ تمام مسافر ایک قطار میں کھڑے تھے جس سے قطار زیادہ ہی لمبی ہوگئی تھی۔ مجھے مصر ایرلائن یاد آئی۔

---

* پروفیسر و صدر نشین مسند ظفر علی خان، ادارہ علوم ابلاغیات پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، پاکستان

سفرِ جاپان میں ایسی ہی گدھا گھوڑا ایک پالیسی دیکھ کر میں بدمزہ ہوا تھا۔ بہ ہر حال یہاں نسبتاً صورتِ حال بہتر تھی۔ مجھے اس سفر میں بچ جانے والے اردنی دیناروں کے ڈالرز لینا تھے۔ قطار کے دائیں جانب عمان کے سرکاری بنک کا صراف کاؤنٹر تھا، لیکن نہیں پہلے بورڈنگ کارڈ لینا چاہیے۔ اس لیے میں نے قطار چھوڑنا مناسب نہ سمجھا رفتہ رفتہ تین کاؤنٹر آباد ہو گئے لیکن قطار ایک ہی رہی۔ اپنی باری آنے پر بورڈنگ کارڈ دینے والے نوجوان کو میں نے سلام کیا اس نے جواباً صباح الخیر کہا کارڈ لے کر میں صرافہ کی جانب بڑھا لیکن اس سے پہلے ردمبیعات کی اطلاع درج تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ نے قیام اردن کے زمانے میں پچاس اردنی دیناروں سے زیادہ مالیت کی خریداری کی ہے تو ایک غیر ملکی کی حیثیت سے آپ اس پر ادا کیا گیا سیلز ٹیکس بارہ فی صد کے حساب سے واپس لے سکتے ہیں۔ واپسی کی کچھ شرائط بھی لکھی تھیں میرے پاس تمام رسیدیں نہیں تھیں۔ اس لیے میں اس طرز عمل کو سراہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

فلائٹ سات بجے عمان سے دمشق کے لیے روانہ ہوئی۔ محض پینتیس منٹ کے سفر کے بعد ہم دمشق ایرپورٹ پر تھے یہاں عجیب ویرانی کی کیفیت تھی۔ کوئی چہل پہل نہیں، شور وشغب نہیں، ایک تو ہماری فلائٹ ہی منفرد تھی کہ رائل اردنیہ کے پورے جہاز میں مجھ سمیت کل تین مسافر تھے، لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ دمشق ایرپورٹ پر ہماری فلائٹ کے مسافروں کے علاوہ بھی کوئی مسافر نہیں تھا۔ میں جہاز سے اتر کر ایرپورٹ کی عمارت میں داخل ہی ہوا تھا کہ سامنے سفارت خانہ پاکستان دمشق کا نمائندہ پروٹوکول میرے نام کی تختی لیے موجود تھا۔ اس نے مجھ سے پاسپورٹ لیا اور امیگریشن وغیرہ کے مراحل آناً فاناً طے کروا دیے۔ اندر آئے تو ایک لاؤنج میں سیاہ برقعوں میں ملبوس بہت سی خواتین فرش پر بیٹھی تھیں۔ حیرت ہوئی کہ یہ اس طرح بے یارو مددگار کیوں بیٹھی ہیں؟ کرسیوں پر کیوں نہیں بیٹھ جاتیں؟ نگاہ دوڑائی تو لاؤنج میں کوئی کرسی نہ پائی وضع قطع سے یہ خواتین زائرین معلوم ہوتی تھیں غالباً ایرانی زائرین۔ سفارت خانے کے نمائندے نے بہ آسانی امیگریشن کے مراحل طے کروا دیے اور مجھے لے کر شہر کی جانب روانہ ہوا۔

سوق حمیدیہ

دمشق کے پاکستانی سفارت خانے کا نمائندہ مجھے فندق الشموع چھوڑ کر رخصت ہو گیا میں نے سفارت خانہ دمشق کے حکام سے کہہ رکھا تھا کہ میرے قیام کے لیے جامعہ امویہ کے قریب کسی ہوٹل کا انتخاب کیا جائے۔ فندق

الشموع جامعہ امویہ سے قریب واقع ہے اتنا کہ تھوڑی ہمت کی جائے تو یہاں سے پیدل بھی جامعہ امویہ جایا جا سکتا ہے۔ میں گزشتہ شب دیر تک جاگا تھا اور عمان سے رخصتی صبح صادق کے وقت عمل میں آئی تھی۔ چنانچہ طبیعت نے کچھ دیر آرام کرنا چاہا لیکن اس خیال سے کہ چند روزہ قیام میں اگر اس اجلے دن کی یہ ساعتیں آرام کی نذر کر دیں تو لوٹ کر نہیں آئیں گی اپنی قوتوں کو مجتمع کیا اور پیدل جامعہ امویہ کی جانب چل پڑا راستے میں صراف سے امریکی ڈالروں کو شامی پاؤنڈ میں تبدیل کرنے، ناشتے اور ٹیلی فون سم خریدنے کے مراحل طے کیے اور لوگوں سے راستہ پوچھتا سوق حمیدیہ پہنچ گیا۔ ایک بڑے مسقّف بازار کا صدر دروازہ سامنے تھا لیکن اس میں سامنے سے داخل نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ دائیں جانب بنی ہوئی سیڑھیوں سے اتر کر اور پھر چڑھ کر بازار کے اندر داخل ہوا۔ ابھی شہر پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا لیکن سیڑھیوں میں پڑے ایک نوجوان کی بے ہوشی کچھ اور ہی کہے دے رہی تھی وہ سر کہیں پاؤں کہیں کے عالم میں بے سدھ سو رہا تھا۔ قدموں میں وزن کرنے والی مشین رکھی تھی لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی اور اسے لوگوں سے یا لوگوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے مینار پاکستان لاہور کے ارد گرد واقع پارکوں اور بھاٹی گیٹ کے علاقے میں نیند سے شکست کھائے لوگوں کی بے چارگی اور بے بسی یاد آ گئی۔ بازار میں داخل ہوا تو پتلون قمیص اور واسکٹ میں ملبوس سماوار سجائے ایک نوجوان کا سامنا ہوا۔ چہرے پر خشخشی داڑھی سر پر ترکی ٹوپی کمر میں تین رکھا سماوار۔ وہ ایک انداز خاص سے پیالیوں کو ٹکرا کر آواز پیدا کر رہا تھا تا کہ راہ گیر اس کی جانب متوجہ ہو کر اس کی چائے پی لیں میں نے اس کے خاص لباس اور وضع سے متاثر ہو کر اس کی تصویر بنانا چاہی تو اس نے یکا یک اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ کہنے لگا تصویر بنانے کے لیے چائے پینا ضروری ہے۔

ناشتہ کرنے کے بعد بازار میں پھرتے، امریکی ڈالروں کے بدلے شامی پاؤنڈ حاصل کرتے، ٹیلی فون کی سم تلاش کرتے اور سم کی خریداری کے لیے دکاندار کے مطالبے پورے کرتے ہوئے اتنا وقت ہو گیا کہ ظہر کی اذان سنائی دینے لگی۔ عالم عرب میں یہ بات مجھے بہت اچھی لگتی ہے کہ نمازیں ان کے اوّلین وقت میں ادا کی جاتی ہیں اور جونہی نماز کا وقت ہوا ویسے ہی اذان کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اذانیں بھی ہمارے ہاں کی طرح مختلف نہیں ہوتیں یکساں طریقے سے ایک ہی بار میں سب اذانیں ہو جاتی ہیں۔ مصر میں تو سرکاری طور پر اذان ریڈیو پر ہوتی ہے اور مسجد کے موذن کے پاس ریڈیو رکھا ہوتا ہے اذان کے وقت سے کچھ قبل وہ ریڈیو چلا لیتا ہے جونہی ریڈیو پر سرکاری اذان شروع ہوتی ہے وہ ریڈیو بند کر کے مسجد کا سپیکر آن کرتا ہے اور اذان دے دیتا ہے۔ یہ عمل پورے مصر میں یکساں طور پر انجام پاتا ہے اور تمام نمازوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور مساجد میں با جماعت نماز کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اوقات کی نشان دہی کرنے والے چارٹوں کی بجائے اذان کے اوقات کے چارٹ لگے ہوتے ہیں یہ طے ہے کہ ہر نماز اذان کے دس منٹ بعد ہوگی سوائے فجر کے جس میں اذان اور جماعت کا درمیانی وقفہ آدھ گھنٹے کے بقدر ہوتا ہے۔سفر دوبئ میں معلوم ہوا کہ وہاں ایک ہی اذان ریلے سسٹم سے تمام مساجد میں نشر ہوتی ہے، بہ ہر حال یہ ملک شام کی پہلی اذان تھی جو میری سماعتوں تک پہنچی:

ناگاہ فضا بانگِ اذاں سے ہوئی لبریز
وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دلِ کہسار

لیکن مصر سے آنے والے مسافر کا المیہ وہی تھا جس کی نشان دہی اقبال مرحوم کر چکے تھے:

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہء سیماب

اذان کی آواز سنتے ہی مسجد کی جستجو ہوئی ۔خواہش یہ تھی کہ نماز ظہر مسجد اموی ہی میں پہنچ کر ادا کی جائے لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اذان اور نماز میں وقفہ مختصر اور یہاں سے مسجد اموی تک فاصلہ زیادہ ہے جس کے باعث ایسا ممکن نہ ہو سکے گا چنانچہ قریب ترین مسجد تلاش کی گئی سوق حمیدیہ کی بغلی گلیوں میں گھومتے گھومتے میں جلد ہی ایک مسجد میں پہنچ گیا آخر یہ دمشق تھا اور میں سوق حمیدیہ میں پھر رہا تھا یہاں کا ہر ذرہ ہی تاریخ ہے نماز کے بعد دیکھا کہ میں جس مسجد میں پہنچا ہوں اس کا نام جامع سمشی احمد باشا ہے اور اس کی تجدید دائرۃ الاوقاف الاسلامیہ نے ۱۳۶۳ھ میں کی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نماز کے بعد ایک بار پھر بازار میں داخل ہونا تھا۔دونوں جانب دعوت نظارہ دیتی دکانوں سے گزر کر میں جامع اموی کی سمت بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ بازار ختم ہوا یعنی مسقّف بازار ختم ہوا ورنہ تو یہاں ہر جانب بازار ہی بازار ہے۔ میں ایک ایسے منطقے میں جا پہنچا جہاں کچھ کھنڈرات کے سے آثار دکھائی دینے لگے جن کے نیچے دکانیں آراستہ تھیں ۔بہت سے محرابی دروازے لیکن کوئی چھت نہیں ،کوئی عمارت نہیں دکاندار آتے جاتے ملکی اور غیر ملکی لوگ، چھوٹی چھوٹی دکانیں جن پر دھوپ سے بچنے کے لیے چھولداریاں ڈالی ہوئیں، دکانوں پر بکنے والے چھوٹے چھوٹے ہدایا جن میں سے زیادہ کا تعلق مذہبی جذبات سے تھا۔میں ان بے سقف محرابوں کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا یہاں کبھی کوئی بلند عمارت ہوگی اب جس کی باقیات ہی باقی ہیں اور ان کے نیچے بیٹھنے والوں کے لیے اس عمارت کا وجود وعدم برابر ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ میں جامعہ امویہ پہنچ چکا ہوں اور میرے سامنے مسجد کا دروازہ ہے۔

جامع الاموی

آگے بڑھا تو سامنے کی دیوار میں نصب ایک چھوٹے سے پتھر پر لکھا تھا: الجامع الاموی، بناہ الخلیفہ الولید بن عبدالملک سنة ۸۶ھ/ ۷۰۵ء خط عمدہ، کاتب کا نام شہاب اور نیچے یہی عبارت فرانسیسی زبان میں بھی لکھی ہوئی ۔ میں ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوا تھا اور ہنوز بیرون مسجد واقع کھنڈروں ہی کے نیچے کھڑا تھا یہ غالباً آرمینیائی معبد کے آثار ہیں جس کا زمانہ پہلی صدی قبل مسیح بتایا جاتا ہے یہ عظیم اور مقدس ترین معبد سمجھا جاتا تھا جس کی زیارت کے لیے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے اسی معبد کی مغربی سمت میں پہلی صدی عیسوی میں یہ حضرت یحییٰ کا مقام بنا جسے بازنطینی حکمران تھیوڈوسس نے ۳۷۹ء میں باضابطہ چرچ میں تبدیل کر دیا۔

۶۳۴ء میں جب حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں مسلمان دمشق میں داخل ہوئے تو انھوں نے اس کی مشرقی سمت کو مسجد بنایا اور عیسائی عبادت گاہ سے کوئی تعرض نہ کیا۔ میں ان کھنڈرات نما محرابوں اور ستونوں سے گزر کر مسجد کے دروازے میں داخل ہوا تو ایک دم کشادا اور تازگی کا احساس ہوا یہی کشادگی جو مسجدوں اور اسلامی تہذیب کا خاصہ ہے۔ دروازے سے مسجد کے وسیع صحن میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب مسجد کے مرکزی ہال کا مدخل تھا میں نے پہلے اس ہال میں جانا مناسب سمجھا۔ دوگانہ ادا کیا یہاں ایک محفل درس ہو رہی تھی میں پہنچا تو یہ اپنے اختتام کے قریب تھی چندے اس میں بیٹھا معاً محفل کا اختتام ہوا اور دعا شروع ہوگئی دعا میں عالمِ اسلام کا ذکر بھی ہوا۔ شیخ نے اس ضمن میں پاکستان کا ذکر بھی کیا جس سے میرا دل خوش ہوگیا۔ مصر میں علما دعا کراتے ہوئے عالمِ اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو پاکستان کا تذکرہ بھول جاتے ہیں بعض اوقات میں نے انھیں پاکستان یاد کرایا اور عالمِ اسلام میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی تو میرے کہنے پر دعا میں پاکستان کا ذکر بھی شامل ہوا لیکن یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری نہ رہا، یہاں بن کہے دعا میں پاکستان کا ذکر سن کر خوشی تو ہونا ہی تھی۔ دعا کے بعد ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی، تعارف ہوا اس نے ڈرتے ڈرتے مجھے بعض معلومات سے آگاہ کیا جن کا تعلق مسجد امویہ اور شام کے معاشرے سے تھا اور مسجد کے بعض مقامات کی نشاندہی کی۔

صدیوں کا سفر

میں اب مسجد کے مرکزی ہال میں کھڑا صدیوں کا سفر کر رہا تھا۔ آرمینیائی دَیر، مسیحی کنیسا، اموی مسجد یہ سب مراحل چشمِ تصور پر ابھر رہے تھے تاریخ میں مذکور ہے کہ جب مسلمانوں نے کنیسا کی مشرقی سمت میں مسجد بنالی تو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قریباً ستر برس تک گرجے کی گھنٹیاں اور مسجد کی اذانیں اکٹھی بلند ہوتی رہیں یہ ولید بن عبدالملک تھا جسے یہاں ایک عالی شان مسجد بنانے کا خیال آیا ایک ایسی مسجد جس کی کوئی نظیر نہ ہو وہ جیسی عالی شان مسجد بنانا چاہتا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ تمام جگہ مسجد کی تعمیر میں صرف ہو لیکن کنیسا کی یہاں موجودگی میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے باوجود قوت واقتدار رکھنے کے اس سلسلے میں عیسائی راہ نماؤں سے گفت وشنید کی اور انھیں اس کے بدلے میں کوئی جگہ دینے کی پیش کش کی لیکن عیسائی راہ نماؤں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا خلیفہ کے ولولوں پر اوس پڑ گئی۔ یہ مسلمانوں کا عام اخلاق و کردار تھا کہ غیر مسلموں کی رضا کے بغیر ان کی جگہ پر قوت کے زور پر تصرف نہیں کیا جاتا تھا مقصد چاہے مسجد بنانا ہی کیوں نہ ہو چنانچہ عیسائی راہ نماؤں کے انکار پر ولید خاموش ہو گیا، اس کے بعد یہ اس کا بھائی مغیرہ تھا جس نے ایک بار پھر اس جگہ کے حصول کے لیے گفت وشنید کا دروازہ کھولا اور عیسائی ہم وطنوں کو ایک کی جگہ چار گرجے دینے کی پیش کش کی یہ فراخ دلانہ پیش کش عیسائی راہ نماؤں نے قبول کر لی۔ یوں ۷۰۵ء میں مسجد کی تعمیر کے کام کا آغاز ہوا یہی سنہ ہے جو مسجد کے اس دروازے پر لکھا ہوا ہے جس سے میں مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد کی تعمیر، نو برس میں مکمل ہوئی اور اس کی تعمیر پر دس ہزار دینار خرچ آیا۔ کہتے ہیں کہ مسجد کا تعمیراتی کام اتنا تھا کہ محض اس کے حسابات کے دفتر اٹھارہ اونٹوں پر لادے جاتے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اب میرے سامنے مسجد کے مین ہال میں حضرت یحییٰ کا مزار تھا میرے قدم بے ساختہ اس جانب اٹھ رہے تھے مزار کے گرد حد بندی کر کے خواتین اور مردوں کے منطقے جدا کیے گئے تھے میں اپنی حد کی جانب بڑھا اور اپنی دانست میں قدموں کی سمت جا پہنچا لیکن یہاں قدم کہاں یہاں تو اللہ کے اس جلیل القدر نبی کا محض مبارک سر دفن ہے۔ روایات کے مطابق جب مسجد اموی کی تعمیر کے لیے کھدائی ہو رہی تھی تو اب جہاں مسجد کا مرکزی ہال ہے اس میں ایک غار دریافت ہوا ابن فقیہہ الہمدانی کی روایت ہے کہ کھدائی کی نگرانی کرنے والے زید ابن واقد نے اس صورت حال سے ولید کو مطلع کیا اور ولید نے خود آ کر جگہ کا معائنہ کیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس چھوٹے غار کے وسط میں ایک سنگی باسکٹ میں ایک سر مدفون ہے اور پتھر پر یہ عبارت تحریر ہے کہ ''یہ بپتسمہ دینے والے یحییٰ کا سر ہے''۔ خلیفہ نے اسے اس کی جگہ پر ہی رہنے دیا اور اس کے اوپر اس مقام کی نشاندہی کرنے والا ایک ستون بنوا دیا، بعد کے زمانے میں یہاں ایک خشبی مرقد بنا دیا گیا جس پر سنہری ہلال نے اس ستون کی جگہ لے لی۔ ۱۸۹۳ء میں مسجد میں لگنے والی آگ کے بعد اس کی موجودہ عمارت تعمیر ہوئی جو ترکوں کے عہد حکومت کی یادگار ہے۔

ہائے میری نگاہوں پر بائبل کی بیان کردہ تفصیل کے مناظر ابھرنے لگے۔ دربار شاہی میں محفل رقص اپنے عروج

پر تھی۔ رقاصہ نے اپنے کمال فن سے بادشاہ کو مسحور کر دیا تھا۔ رقاصہ، ملکہ کی بیٹی ہی تھی جب رقص تمام ہوا تو بادشاہ نے کمال خسروانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دنیا کی کوئی بھی چیز مانگنے کی پیش کش کی۔ ناپختہ رقاصہ نے اپنی ماں سے مشورہ کیا کہ اس نادر لمحے میں کیا مانگنا چاہیے؟ ماں جو اللہ کے نبی سے اس بنا پر شدید ناراض تھی کہ اس نے بادشاہ کے ساتھ اس کے ناجائز تعلق پر تنقید کی تھی اس موقع کو غنیمت سمجھتی ہے اور بیٹی سے کہتی ہے کہ بادشاہ سے یحییٰ کا سر مانگ لو حضرت سلیمان کے بعد یہودیوں کی سلطنت دو ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تھی یہودیہ اور اسرائیل یہ دونوں ریاستیں اپنی ناتدبیریوں کے باعث آئے دن معرکہ آرا رہتی تھیں۔ نوبت بہ این جا رسید کہ یہودیہ نے اسرائیل کے خلاف، جو انھی کے ہم مذہب بلکہ دینی بھائی تھے، دمشق کے آرامی حکمرانوں سے مدد طلب کی تھی۔ ریاست یہودیہ کے بادشاہ ہیرود کا دربار بے حیائیوں کا مرکز بن چکا تھا اور خود بادشاہ نے اپنے بھائی فلپ کی بیوی کو گھر میں ڈال لیا تھا جس پر حضرت یحییٰ تنقید کرتے تھے اور بادشاہ اور اس کی ناجائز ملکہ کو یہ تنقید بہت ناگوار گزرتی تھی چنانچہ حضرت یحییٰ کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اب جب اس کی محبوبہ نے ان کے سر کا مطالبہ کر دیا تو بادشاہ نے یہ جاننے کے باوجود کہ یحییٰ نبی ہیں یا کم از کم قوم کے ایک نہایت نیک اور پارسا شخص ہیں ان کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا اور بائبل کی کتاب مرقس (باب ۶/ ۱۷-۱۹) کے مطابق اپنی معشوقہ کی فرمایش پر قوم کے اس صالح ترین آدمی کا سر قلم کر کے ایک تھال میں رکھ کر اس کی نذر کر دیا۔ یہ المناک روایت متی اور لوقا میں بھی مذکور ہے۔

صحرا میں اذان

یہ تفصیل بائبل میں ہے قرآن کریم نے حضرت یحییٰ کی غیر معمولی ولادت ان کی پارسائی اور اللہ کا پیغام مضبوطی سے تھامنے کی صفات کا ذکر کیا ہے: اے یحییٰ میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی وہ پرہیز گار شخص تھا اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا وہ سرکش اور گنہگار نہ تھا۔ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ (مریم ۱۲-۱۵)

قرآن حکیم نے ان کی صفات بیان کرتے ہوئے 'حنانًا' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب شفقت اور مہربانی بتایا جاتا ہے شارحین اس سے مراد لیتے ہیں کہ ہم نے اسے والدین اور اقربا پر شفقت اور مہربانی کا جذبہ اور نفس کی آلایشوں اور گناہوں سے پاکیزگی عطا کی تھی۔ یوحنا کے مطابق حضرت یحییٰ کہتے تھے ''میں بیابان میں ایک پکارنے

والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔'' (۱:۲۳) ان کی تعلیم وہی تھی جو تمام انبیاے کرام کی تعلیم تھی وہ نماز روزے کی تلقین کرتے، لوگوں کو توبہ کی راہ کی طرف لاتے اور گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو بپتسمہ دیتے یعنی توبہ کروا کر غسل کرواتے تاکہ روح اور جسم دونوں کی آلودگی دور ہو جائے اسی لیے ان کا نام یوحنّا بپتسمہ دینے والا مشہور ہو گیا تھا John the Baptist متی میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں۔ (۱۱:۱۱) قرآن کریم نے انھیں حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کی اطلاع دینے والا (اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا) سردار، ضابطِ نفس اور نیک لوگوں میں سے نبی قرار دیا ہے۔ (آل عمران ۳۹) یہاں ان کے لیے حَصُوراً کا لفظ لایا گیا ہے جس کے معانی گناہوں سے پاک یعنی گناہوں کے قریب بھی نہ پھٹکنے والا ہیں۔ ان میں اور حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت میں بہت سی مماثلتیں ہیں۔ یوں بھی وہ حضرت عیسیٰؑ کے قریبی رشتہ دار تھے بعض روایات کے مطابق خالہ زاد تھے اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہے۔ لوقا کے بیان کے مطابق حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰؑ سے چھ ماہ بڑے تھے ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا سلوک بھی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیے جانے والے سلوک سے ملتا جلتا تھا۔ ان کے سفاکانہ قتل کا واقعہ بھی حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب سے دو ڈھائی سال پہلے کا واقعہ ہے۔ یہی نہیں بنی اسرائیل نے حضرت زکریاؑ کے ساتھ بھی تو وہی سلوک کیا تھا جو خود حضرت یحییٰ کے ساتھ کیا گیا۔ فتح بیت المقدس کے بعد جب بخت نصر ہیکل سلیمانی میں داخل ہوا تو اس نے قربان گاہ کے سامنے تیر کا ایک نشان دیکھا اس نے یہودیوں سے پوچھا کہ یہ نشان کیسا ہے تو اسے بتایا گیا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم نے زکریا نبی کو قتل کیا تھا وہ ہمیں ہماری برائیوں پر ملامت کیا کرتا تھا جب ہم اس کی ملامتوں سے تنگ آ گئے تو یہاں ہم نے اسے مار ڈالا تھا۔ (تواریخ نیز تلمود) حضرت زکریا کی ملامت بھی انھی اخلاقی برائیوں پر تھی جن پر حضرت یحییٰ تنقید کرتے تھے یہودیہ کی ریاست میں کھلم کھلا ہونے والی بت پرستی اور بدکاریوں پر ان کی صداے احتجاج کو ختم کرنے کے لیے انھیں یہودیہ کے بادشاہ یوآس کے حکم سے عین ہیکل سلیمانی میں قتل کر دیا گیا تھا۔ صاحب قصص القرآن نے تاریخ ابن کثیر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب یہود نے حضرت زکریاؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ جان بچانے کے لیے بھاگے ان کے سامنے ایک درخت آ گیا اور وہ اس کے شگاف میں گھس گئے ظالم یہود نے اس درخت پر آرہ چلا کر درخت اور حضرت زکریاؑ دونوں کے دو ٹکڑے کر دیے (۲/۲۷۳) اقبال نے انبیا کے ساتھ بنی اسرائیل کے اسی سلوک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ''زہر ہا در بادۂ گلفام اوست'' کا دکھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ

ع ارّہ و کرم و صلیب انعام اوست

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بدچلن اور بدقسمت قوموں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے کہ جب انھیں ان کے کردار کا آئینہ دکھایا جاتا ہے تو وہ برا مان جاتے ہیں اور آئینہ دکھانے والوں ہی پر الزامات لگا کر انھیں گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے جیسے یرمیاہ نبی نے اپنی قوم کی بداعمالیوں پر متنبہ کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ اگر تم نے اپنی روش تبدیل نہ کی تو خدا تمھیں دوسری قوموں کے ہاتھوں پامال کر دے گا اس پر بجائے اپنے انحطاط کی جانب متوجہ ہونے اور اپنی کمیوں کو دور کرنے کے قوم نے ان پر دشمنوں سے ملے ہوئے ہونے اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کے الزامات لگا کر حوالۂ زنداں کر دیا تھا۔

عالم اسلام کی پہلی مسجد

آج جو حصے مساجد کا جز و لاینفک سمجھے جاتے ہیں ان کا آغاز مسجد امویہ سے ہوا تھا مثلاً محراب، وضو کے لیے الگ جگہ، مینار، گنبد وغیرہ اس سے قبل مساجد بالکل سادہ ہوتی تھیں جن میں ان تعمیرات کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی ۸۶ ہجری تک کتنی مساجد تھیں۔ دنیا کے بت کدوں میں پہلے خانہ خدا کے بعد بطور مسجد عالم اسلام کی پہلی مسجد تو مسجد قبا تھی جس کی تعمیر میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اور جس کے بارے میں لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی کی آیت نازل ہوئی یا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مسجد نبوی۔ مسجد نبوی کی تعمیراتی سادگی کا عالم یہ تھا کہ اس کی دیواریں کچی اینٹوں کی، ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی لمبائی ستر ہاتھ اور چوڑائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ لیکن اس مسجد کی عظمت کے کیا کہنے جس کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک ہوئے بنیادوں کے لیے پتھر اور دیواروں کے لیے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے رہے جس میں آپ آرام فرما ہیں، جو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، جس میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے بقدر ہے۔ آج کی مرمریں سلیں جتنی بھی زیبا ہوں ان عظمتوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

مسجد اموی کا امتیاز اس کی مذکورہ اوّلیات، شان و شوکت، فن تعمیر کے حسن اور وسعت کے باعث ہے اس کا گنبد عجیب شان رکھتا ہے اور تمام دمشق سے دکھائی دیتا ہے اسے غور سے دیکھیں تو شاہین کی شباہت ابھرتی ہے شاید اسی لیے اس کا نام قبة النسر ہے یعنی شاہینی گنبد۔ یہ اس عمارت میں میناروں کے بعد سب سے نمایاں تعمیر ہے لیکن بنانے والوں نے اسے ایسا وقار عطا کر دیا ہے کہ میناروں کی بلندی بھی اس کی شان کو کم نہیں کر سکی ہے۔ یہ چھتیس میٹر کی اونچائی پر چار ستونوں پر قائم ایک ہشت پہلو تعمیر ہے جس کے اطراف میں ہر پہلو پر دو دریچے بنائے گئے ہیں اور ان دو دریچوں کے اوپر گنبد کی سطح میں بھی ایک ایک دریچہ رکھا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دلہن کا مینار

مسجد اموی کا عزم کرتے ہوئے منارۃ المسیح دیکھنے کا خیال بھی تھا کہ مشہور روایت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا نزول جامعہ اموی کے سفید مینار پر ہوگا (لیکن یہ روایت درست نہیں) اسی روایت کے زیر اثر مسجد کے مشرقی مینار کو منارۃ المسیح کہا جاتا ہے۔ اس مینار کی اصل تعمیر تو اموی دور ہی کی تھی لیکن مرور زمانہ سے اس میں تجدید کا عمل ہوتا رہا ہے۔ ۱۴۷۹ء میں بھڑک اٹھنے والی آگ کے بعد اسے ۱۴۸۸ء میں مملوک سلطان قاتیبائی کے دور میں تعمیر کیا گیا ۱۷۵۹ء میں آنے والے زلزلے نے اس مینار کو ایک بار پھر نقصان پہنچایا۔ موجودہ صورت میں اس کا زیریں حصہ اسی جگہ پر ہے جہاں اموی دور میں تھا لیکن اس کی تعمیر مملوک دور کی ہے جبکہ بالائی حصہ عثمانی دور کی تعمیر پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دو مینار اور ہیں۔ مغرب کی جانب واقع مینار کا ڈیزائن بالکل ہی مختلف ہے اس کی تعمیر بھی بہت بعد کی یعنی ۱۴۸۸ء کی ہے اور اس کا نقشہ بھی زمانہ بعد کے میناروں کی طرح مدوّر ہے۔

ایک مینار مسجد کی شمالی دیوار کے وسط میں مسجد کے گنبد کے مقابل ہے جسے مئذنۃ العروس کہا جاتا ہے یہ بھی ولید ہی کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے شام میں ایک دلچسپ کہانی سنائی جاتی ہے۔ غالباً مملوک عہد میں اس مینار کی تجدید کی ضرورت پیش آئی۔ اس زمانے میں مینار کی چھت کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے اس پر ایک خاص دھات لگائی جاتی تھی۔ اتفاق سے ان دنوں یہ دھات میسر نہیں تھی۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو بھی یہ دھات مہیا کر دے گا۔ اسے اس دھات کے وزن کے بقدر سونا انعام دیا جائے گا۔ ایک بڑے مال دار تاجر کی بیٹی نے یہ دھات مہیا کر دی جس پر اسے وعدے کے مطابق سونا دینے کا اعلان کیا گیا۔ صاحبزادی نے بادشاہ کے ایفائے عہد ہی کو کافی جانا اور اپنی عطا کردہ دھات کا کوئی بدل وصول نہیں کیا، اس سے بادشاہ متاثر ہوا یا شہزادی یا دونوں، یہ تو معلوم نہیں تاہم اس مینار کی تعمیر نو کا نتیجہ یہ نکلا کہ صاحبزادی بادشاہ کی عروس یعنی ملکہ بن گئی بس اس وقت سے یہ مینار مئذنۃ العروس کہلانے لگا۔ یہی مینار ہے جس پر سے دمشق پر منگولوں کے حملے کا اعلان کیا گیا تھا۔

شمع کی روشنی، وضو کا پانی اور شیشۂ ساعت

صحنِ مسجد میں تین عمارتیں زائر کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتی ہیں، یہ تینوں عمارتیں مدوّر ہیں۔ میں باب البرید سے مسجد میں داخل ہوا تھا داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ ستونوں پر استوار کیا گیا اور اونچا گنبد دکھائی دیا۔ یا اللہ عین صحن

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مسجد میں یہ گنبد کیسا ہے؟ گنبد تو مساجد کے مرکزی ہال پر ہوا کرتے ہیں مسجد کا صحن اور یہ آٹھ ستونوں پر استوار ایک خوبصورت تعمیر ستونوں پر ہشت پہلو عمارت اور اس عمارت پر گنبد عمارت پر نہایت دیدہ زیب نقاشی ہر جانب پیلی زمین پر سبز بوٹے اور پھول۔ اونچائی تین انسانوں کے بقدر زینے کے بغیر چڑھنا ممکن نہیں۔ عمارت میں ایک جانب دروازہ جواب زمانوں سے کھلا پڑا ہے۔ پتہ چلا کہ یہ عمارت خزانہ رکھنے کے لیے تعمیر کی گئی تھی اور اسی رعایت سے اس کا نام قبۃ الخزنہ ہے۔ موجودہ تعمیر ۷۸۵ء کی ہے۔ صحن مسجد کے وسط میں ایک اور گنبد بھی ہے لیکن یہ گنبد ایک چوکور تعمیر کے اوپر واقع ہے۔ چار جانب دو دروازوں کی حامل ایک عمارت اوپر جنگلے کی حامل چھت اور اس چھت پر ایک اور چھت ڈال کر اس پر گنبد بنایا گیا ہے یہ سب کچھ خوش ذوقی کا مظہر ہے اس بنا کے نیچے فوارہ اور فوارے کے گرد وضو کے لیے ٹونٹیاں ہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جامع اموی، پہلی مسجد ہے جس میں وضو کے لیے جگہ مخصوص کی گئی تھی یہ مکان اسی کا مظہر ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں وضو کی جگہ صحن مسجد کے بیچ میں بنائی گئی تھی جواب سرکتے سرکتے مساجد سے باہر نکل آئی ہے۔ بعض پرانی مساجد میں اب تک وضو کی جگہ وسط صحن ہی میں دیکھی جا سکتی ہے جیسے مصر کی خوبصورت ترین مسجد، مسجد محمد علی پاشا کے بھی صحن ہی میں وضو کی جگہ موجود ہے اسی طرح اسکندریہ میں امام بوصیری کا مزار جس مسجد میں واقع ہے اس میں بھی یہ تعمیر صحن مسجد ہی میں ہے۔

صحن مسجد کا تیسرا گنبد قبۃ الساعات یا کلاک ٹاور یا قبۃ زین العابدین ہے اس کے نیچے مسجد کی گھڑی رکھی جاتی تھی اور اس کی حفاظت و آرایش کے لیے یہ گنبد تعمیر کیا گیا۔ گنبد آٹھ ستونوں پر استوار ہے۔ یہاں کبھی کلاک بھی تھا اب محض یہ گنبد موجود ہے اور اس کے نیچے کی جگہ خالی ہے جہاں اب پرندے سایہ پاتے ہیں۔ شیشہ ساعت تو سنا بلکہ دیکھا تھا گنبد ساعت پہلی بار یہیں دیکھا۔ صحنِ میں ایک اور قابل توجہ تعمیر ایک ٹاور عمود الشموع ہے جس پر کا پر کا خوبصورت جنگلا ہے اس میں شمعیں لگائی جاتی تھیں تا کہ صحن مسجد رات کو بھی روشن رہے۔

راس الحسین

میں جب قاہرہ آیا تو یہ سن کر حیران رہ گیا کہ یہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مبارک سر کا مدفن ہے۔ زیارت کو پہنچا۔ یہ مدفن ایک بڑی مسجد میں واقع ہے جسے جامع حسین کہا جاتا ہے اور یہ مسجد جامع الازہر کے مقابل واقع ہے اس منطقے کو 'حسین' کہا جاتا ہے اور اس کی بغل ہی میں قاہرہ کا مشہور روایتی بازار خان الخلیلی واقع ہے۔ جہاں ہر وقت سیاحوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ قاہرہ کے دوستوں سے پوچھا تو انھوں نے بڑی تحدی کے ساتھ کہا کہ یہ بالکل درست

ہے کہ یہاں حضرت حسین کا سر مبارک مدفون ہے۔آج جب جامع اموی پہنچا تو یہاں بھی مشہد حسین موجود پایا۔ صحنِ مسجد میں مرکزی ہال کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو بائیں جانب کے کمروں میں یہ مرقد موجود ہے۔تعمیر دھات کی ہے اور نہایت زیبا۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد قرآنی آیات اور طویل عربی عبارات لکھی ہیں کھڑکی پر لکھا ہے 'من قتل مظلوماً '،مشہد کے اطراف میں اشعار لکھے ہیں یوں کہ ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہے اور آخری سطر میں یا سید الشہدا لکھا ہے مثلاً:

هل مومن ينسلى   اهل كهذى جلى
راس الحسين سلى   على السنان تجلى
لالاوه كذكاء   والهفتا يا حسينا
يا سيد الشهدا

یہیں محراب امام زین العابدین بھی ہے دیوار میں ایک محراب بنی ہوئی ہے زائرین آتے ہیں اور کچھ دیر کے لیے اس میں اپنا سر ڈالتے ہیں۔دمشق ہی میں راس الحسین کا ایک اور مقام باب الصغیر میں بھی ہے۔راقم نے وہاں بھی حاضری دی یہاں پتھر کا بنا ہوا ایک بہت بڑا پیالہ بھی رکھا ہے جس کے بارے میں مختلف حکایتیں مشہور ہیں واللہ اعلم اس کی تعمیر بھی جامع اموی کے اس مشہد کی مانند ہے یہاں زائرین کا بے پناہ ہجوم تھا اور مشہد کا دروازہ بند تھا دروازہ کھلنے کا وقت قریب تھا۔اس لیے ہجوم لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا جونہی دروازہ کھلا ہجوم دھکم پیل کرتا ہوا بے محابا اندر داخل ہوا اور آہ وزاری کی آوازیں بلند ہوئیں لوگ مزار کی عمارت کو چھونے کے لیے بیتاب تھے کچھ لوگ یہاں نفل پڑھنا چاہتے تھے دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا لوگ ایک دوسرے کے اوپر سے گزرتے ہوئے اپنی اپنی مرادیں مانگ رہے تھے کچھ دیر میں مجھے بھی داخلے کا موقع مل گیا عمارت ویسی ہی جمیل جیسی کہ جامع اموی میں مشہد کی عمارت ہے غالباً جامع اموی میں راس الحسین رکھا گیا اور یہاں تدفین کی گئی۔اب راس الحسین کہاں مدفون ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔چھت پر ایک گنبد اور گنبد کے اندرون میں طویل عبارات،خطاطی نہایت عمدہ۔مزار کے اطراف میں قرآنی آیات اور اشعار اور یا سید الشہدا کے کلمات لکھے ہوئے۔ایک بڑا فریم جس میں حضرت علی کے فرمودات درج زائرین ان سب چیزوں سے والہانہ عقیدت کا اظہار کر رہے تھے (باب صغیر کے دیگر مزارات کی تفصیل آگے آئے گی) لیکن اطمینان نہیں ہوا تاریخی مصادر دیکھے تو ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں راس الحسین کی نسبت مصریوں کے دعوے کی واضح تردید موجود پائی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صحن میں واپس آیا تو ایک بہت بڑا چھکڑا سامنے تھا ہمارے ہاں جو تانگے چلتے ہیں ان کے پہیوں جتنے چار پہیے اور لمبا ڈھانچہ جس سے آثار قدامت کے ہویدا موٹی لکڑی کے بنے ہوئے اس سٹرکچر پر کوئی عبارت نہیں تھی جس سے معلوم ہو کہ یہ کیا ہے دریافت کرنے پر اتنا معلوم ہوا کہ یہ ترکوں کی یادگار ہے اور بس۔ اس وقت تو معلوم نہیں تھا لیکن اسی سفر میں معلوم ہوا کہ یہاں وہ کمرہ بھی ہے جس میں بیٹھ کر امام غزالی نے احیاء علوم لکھی تھی اثنائے سفر میں اس بات کی تحقیق کا تو وقت نہیں تھا تاہم، یہ کمرہ دیکھنے کے لیے دوبارہ مسجد اموی آیا۔ یہ کمرہ باب البرید کے بائیں جانب واقع ہے میں نے شوق سے اسے دیکھا دوگانہ ادا کیا اور اس کی تصویر بنائی۔

مسجد کے مشرف سے ملاقات

مسجد کے مقامات دیکھ چکا تو مسجد کے دفتر کی جانب رخ کیا یہ ایک لمبا چوڑا مکتب تھا مہمان دار نے بڑھ کر استقبال کیا، تپاک سے بٹھایا۔ پاکستانی ہونے کے حوالے سے ان کے طرز عمل میں خاص احترام پیدا ہو گیا اور پھر یہ جان کر بہت خوش ہوئے کہ میں جامعہ الازہر قاہرہ میں پڑھتا ہوں کچھ تعارفی گفتگو ہوئی اس کے بعد مسجد کے مشرف العام سے ملاقات ہوئی مشرف العام یعنی مسجد کے امور کا سربراہ یا ڈائریکٹر جنرل ان کا نام محمد غسان الجیرودی تھا انھوں نے اپنا کارڈ دیا کارڈ پر ان کے تعارف کے علاوہ مسجد اموی بلکہ اس کے صحن میں واقع خزنہ کی تصویر بھی تھی اور اس کے نیچے اطیب التمنیات یعنی نیک تمنائیں بھی لکھا ہوا تھا وہ بہت تپاک سے ملے۔ آؤ بھگت کی پہلے جامعہ الازہر کے بارے میں پوچھتے رہے پھر جامعہ امویہ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی میرے ذہن میں یہ سوال تھا کہ صحنِ مسجد میں مرکزی دروازے کے اوپر اور خزنہ کے اردگرد جو نقاشی اور آرایش ہے یہ بلا شبہ بہت خوب صورت ہے لیکن یہ مساجد کے عمومی کلچر سے بالکل الگ چیز ہے کیونکہ مساجد میں پینٹنگز کا رواج نہیں رہا ہے انھوں نے کہا کہ اشجار اور پودوں کی یہ تصویریں جنت کا تخیلی تصور ابھارتی ہیں اس اعتبار سے مسلم کلچر سے ہم آہنگ ہیں۔ تاریخ سے میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ مسجد کا ایک عجائب گھر بھی ہے لیکن کسی وجہ سے اس روز یہ عجائب گھر دیکھا نہیں جا سکتا تھا انھوں نے جو کچھ بتایا اور اس کے بارے میں جو تعارفی کتابچہ دیا ان سے پتہ چلا کہ اس میوزیم کا افتتاح ۵ مئی ۱۹۸۹ء کو ہوا اور اس میں جامع کی مختلف الواح مختلف زمانوں کے سکے جن میں ولید بن عبدالملک بانی جامع کے عہد کا سکہ بھی شامل ہے قرآن حکیم کے نادر مخطوطات مختلف مشاہیر خطاطوں کے فن پارے جو جامعہ اموی کو ہدیہ کیے گئے، مختلف زمانوں کے ظروف، جامع میں استعمال ہونے والے انواع واقسام کے جائے نمازوں کے

نمونے (السجاد) جو بجاے خود ایک تاریخ ہیں، ساعات یعنی مختلف زمانوں میں زیر استعمال رہنے والی گھڑیاں، احادیث کی عبارتوں کی حامل سنگی اور خشبی الواح بعض قدیم دروازے اور عہد بنو امیہ سے دور بدور نویں صدی ہجری تک کی دستاویزات شامل ہیں۔

ایوبی نماند

اب میں مسجد سے باہر نکلا منزل صلاح الدین ایوبی کے مزار پر حاضری دینا تھی۔ایک ایسا سالار جو بیک وقت فولاد اور ابریشم کی صفات اپنے اندر مجتمع رکھتا تھا جس کی فراخ حوصلگی، جرات، اعلیٰ کردار، سخاوت اور دلیری کا اعتراف اپنوں ہی نے نہیں غیروں نے بھی کیا ہے۔جس کے ہاتھوں اکانوے سال بعد مسجد اقصیٰ مسلمانوں کو واپس ملی اور آج ایک بار پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی راہ دیکھ رہی ہے......نورالدین زنگی کا لائق جانشین، جس نے مصر، شام، یمن، عراق، حجاز پر حکومت کی جس نے عالم اسلام کی بے حس حکومتوں کے عدم تعاون کے باوجود ایسی کامیابیاں حاصل کیں کہ تاریخ کے اوراق ان سے جگمگا رہے ہیں۔دشمن افواج کی عورت کا بچہ گم ہو جانے پر بچوں کی طرح رونے والا، دشمن کا گھوڑا مر جانے پر مقابلے کے لیے اپنی جانب سے گھوڑا بھیجنے والا دشمنوں پر فتح پانے کے بعد غریب عیسائیوں کا زرِفدیہ اپنی جیب سے دے کر انھیں امان دے دینے والا اکانوے سال کے بعد القدس کو آزاد کروانے کے بعد بھی عیسائیوں کو اس کی زیارت سے نہ روکنے والا بلکہ ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچانے والا صلاح الدین ایوبی میں اس کے مقام کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا یہ عظیم انسان اور تاریخ انسانی کا بے مثل سالار جامع اموی کے عقب میں واقع ایک چھوٹے سے مقبرے میں آرام کر رہا ہے مسجد سے باہر نکلا تو ایک بورڈ نے مقبرے کی سمت راہ نمائی کی جس پر لکھا تھا: المدرسۃ العزیزیہ و مدفن صلاح الدین ایوبی بناھا ابنہ العزیز عثمان سنۃ ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء یہ بورڈ اس دیوار پر نصب تھا جس دیوار میں مسجد کا مشرقی مینار واقع ہے۔ مینار زیر مرمت تھا اور اس کے گرداگرد لوہے کے جنگلے لگے ہوئے تھے۔آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے محافظۃ دمشق کے مدیریۃ ھندسۃ المرور والنقل کی جانب سے رکاوٹی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔لیکن مزار کی جانب کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔اسی دیوار پر ذرا آگے معھد العلوم الشریعۃ کا بورڈ بھی لگا تھا، ذرا آگے بڑھا تو بائیں جانب ایک چھوٹی سی عمارت کے چہرے پر لکھا تھا: مقام صلاح الدین الایوبی المتوفی سنۃ ۵۸۹ھ گویا مزار وفات سے تین سال بعد تعمیر ہوا۔دائیں جانب الرجا ترک الحذاء خارجاً کی ہدایت تحریر تھی۔ایک درمیانے سائز کا سہ پہلو مدخل اطراف میں پھولوں بھرے گملے، محرابی کھڑکی کے اوپر مقام کا بورڈ اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سادہ سے مدخل میں داخل ہوا تو ایک چھوٹی سی میز بچھائے مقبرے کا محافظ بیٹھا تھا میز پر کچھ تعارفی کتابچے اور بینر رکھے تھے۔

میں نے کتابچوں پر ایک نظر ڈالی اور اپنے تجرباتِ مصر کی روشنی میں سوچنے لگا کہ یہاں بھی پیسے طلب کیے جائیں گے اور پیسوں کے بغیر آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا لیکن یہ دمشق تھا، دربان مہذب شخص تھا اس نے احترام کے ساتھ اندر جانے کے لیے راہ نمائی کی بلکہ جب میں نے عمارت کی تصویر بنانا چاہی تو اس میں بھی میرا ساتھ دیا۔ اس وقت مقبرے میں کوئی دوسرا نہیں تھا اندر گیا تو سامنے دو بڑی قبروں کو موجود پایا ایک بالکل سفید اور دوسری سراسر سبز غلاف میں ملفوف۔ میں نے دربان سے پوچھا کہ یہ دوسری قبر کس کی ہے اس نے بتایا کہ دونوں صلاح الدین ایوبی کی ہیں ارے ایک زندہ انسان دو کرسیوں پر بیٹھ نہیں سکتا دو چار پائیوں پر لیٹ نہیں سکتا تو مرنے کے بعد دو قبروں میں کیسے سما سکتا ہے؟ میں پریشان ہوا اس نے میری الجھن رفع کرتے ہوئے بتایا کہ سفید پتھر والا تعویذ صلاح الدین کے معاصر عیسائی حکمران نے تحفے کے طور پر بھیجا تھا جسے یہاں رکھ دیا گیا ہے صلاح الدین اس دوسرے تعویذ کے نیچے آرام فرما ہیں۔ اس دوسرے تعویذ پر ایک بورڈ لکھ کر رکھا گیا تھا۔ ھذا قبر القائد صلاح الدین الایوبی سنۃ ۵۳۲ھ۔ ۵۸۹ھ۔ سبز غلاف کے اوپر اور اطراف میں آیۃ الکرسی اور دوسری قرآنی آیات درج تھیں۔ یہ دونوں تعویذ ایک چھوٹے کمرے میں تھے جس کی دھاری دار دیواروں میں دریچے اور طاقچے بنے ہوئے تھے روشنیاں تھیں خاموشی تھی اور احترام تھا میں تعویذ کے قریب بیٹھ گیا اور بیتے زمانوں کا تصور کرنے لگا۔ تاریخ کی خوفناک ترین جنگ حطین، خلیفہ بغداد کا عدم تعاون، صلیبی جنگیں صلاح الدین کی بیماری اور بیماری کے باوصف شہ سواری انگلستان کے بادشاہ رچرڈ شیر دل فرانس کے فلپ آگسٹس جرمنی کے فریڈرک بار بروسا سے بیک وقت مقابلہ اور کامیابیوں کا ایک سلسلہ۔ یا اللہ یہ ایک انسان تھا یا عزم و ہمت کا کوئی پہاڑ، پورا یورپ متحد ہو کر جس کے مقابل آ گیا لیکن اس کے سامنے یہ متحدہ افواج ٹھہر نہ سکیں اور جس نے مدینہ پر حملے کا ناپاک ارادہ کرنے والے رینالڈ کی فوج کو نہ صرف شکست دی بلکہ رینالڈ کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا لیکن پہلے اسے اسلام کے دامن امن و عافیت میں آنے کی دعوت دی، جس کے مقابلے پر آنے والا فرانس کا بادشاہ دریا میں ڈوب مرا، وہ صلاح الدین ایوبی۔ آج میں اس کے سرہانے بیٹھا تھا اس نے بادشاہ ہوتے ہوئے بھی عوام سے محبت کی، یہی وجہ تھی کہ اس کی وفات کو ابن خلکان جیسے مورخ نے خلفائے راشدین کی وفات کے بعد عالمِ اسلام کا سب سے بڑا سانحہ قرار دیا۔ مجھے اپنے ساتھ صلاح الدین کے تعلق کی ایک اور جہت محسوس ہوتی ہے وہ فاتح مصر بھی تو تھا اس کے عہد میں جامعہ الازہر کو اس کی موجودہ شناخت ملی ۵۶۴ھ میں

جب وہ اپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ مصر میں داخل ہوا تو یہاں فاطمیوں کی حکومت تھی جنھوں نے بڑے بڑے خزانے اور محلات بنا رکھے تھے۔ صلاح الدین نے ان خزانوں کو بیت المال میں جمع کروا دیا اور محلات کی جگہ شفا خانے، مدرسے اور ذہنی مریضوں کی علاج گاہیں قائم کر دیں اس کے ایسے ہی اقدامات نے اسے عوام میں محبوبیت عطا کر دی تھی۔ میں قاہرہ میں اپنے گھر کی کھڑکیوں سے جبل مقطم پر واقع صلاح الدین کا قلعہ روز دیکھتا ہوں۔ آج اس کی لحد پر حاضر ہوا تو اس کی محبوبیت کے دوسرے مناظر بھی نگاہوں پر ابھر آئے اور اقبال کی آواز سنائی دینے لگی:

در مسلمان شان محبوبی نماند

خالد و فاروق و ایوبی نماند

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد عمار خان ناصر

امیر عبد القادر الجزائری کی جدوجہد

چند سبق آموز پہلو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لاہور کے معروف اشاعتی ادارے ''دار الکتاب'' نے ایک مغربی مصنف جان ڈبلیو کائزر کی کتاب کا اردو ترجمہ ''امیر عبد القادر الجزائری: سچے جہاد کی ایک داستان'' کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ امیر عبد القادر کا شمار انیسویں صدی میں عالم اسلام کی ان معروف شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے مسلم ممالک پر یورپ کے مختلف ممالک کی استعماری یلغار کے خلاف مزاحمانہ جدوجہد کی۔ ان میں الجزائر کے امیر عبد القادر الجزائری کا نام اس حوالے سے ممتاز ہے کہ ان کی جرات واستقلال، عزیمت واستقامت، حوصلہ وتدبر اور فکر وکردار کی عظمت کو ان کے دشمنوں نے بھی سراہا اور ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا۔

امیر عبد القادر نے انیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں الجزائر میں فرانسیسی استعمار کے خلاف آزادی کی جدوجہد کی اور ایک ایسا نمونہ پیش کیا جسے بلا شبہ اسلام کے تصور جہاد اور جنگی اخلاقیات کا ایک درست اور بڑی حد تک معیاری نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ امیر عبد القادر کے تصور جہاد کے اہم اور نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں:

۱۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے ملک پر کسی غیر مسلم طاقت کے تسلط کی صورت میں اس سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ایک شرعی اور دینی فریضے کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ انھوں نے اسی جذبے سے روحانی غور وفکر اور تعلیم وتدریس کی زندگی کو ترک کر کے فرانس کے خلاف مسلح جدوجہد آزادی کو منظم کیا۔

۲۔ ان کے ہاں جہاد کا مقصد طاقت یا اقتدار کا حصول نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے جدوجہد آزادی کی قیادت خود

سنبھالنے سے قبل بھی شاہ مراکش سے درخواست کی کہ وہ اس جدوجہد کی سرپرستی اور راہ نمائی کریں اور پھر جب ایسا نہ ہو سکنے کی وجہ سے انھیں خود اس جدوجہد کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالنا پڑی تو الجزائر کے ایک وسیع علاقے میں اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے بعد انھوں نے دوبارہ شاہ مراکش کو خط لکھا کہ وہ اس الجزائر کو اپنی سلطنت کا حصہ بنالیں اور یہاں کے معاملات کو چلانے کے لیے اپنا کوئی نمائندہ مقرر کر دیں۔

۳۔ امیر عبد القادر کے ہاں اس امر کا احساس بھی بہت واضح ہے کہ کسی غیر ملکی طاقت کے خلاف جدوجہد آزادی چند لازمی شرائط کے پورا ہونے پر منحصر ہے اور ان کو پورا کیے بغیر کامیابی کا حصول ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے نہایت دانش مندی سے یہ سمجھا کہ مسلح جدوجہد کا فیصلہ کسی فرد یا کسی گروہ کو اپنے طور پر نہیں بلکہ پوری قوم کے اتفاق راے سے کرنا چاہیے تاکہ جدوجہد مضبوط اخلاقی اور نفسیاتی بنیادوں پر قائم ہو اور اسے قوم کی اجتماعی تائید حاصل ہو، کیونکہ اگر قوم ہی اس جدوجہد کے نتائج کا سامنا کرنے اور اس کے لیے درکار جانی اور مالی قربانی دینے کے حوصلے سے محروم ہو تو کوئی گروہ اپنے بل بوتے پر اسے کامیابی سے ہم کنار نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے امیر نے فرانس کے خلاف لڑائی شروع کرنے سے پہلے الجزائر کے بڑے بڑے قبائل کے سرداروں سے مشاورت کر کے ان کی تائید اور حمایت کو یقینی بنایا۔ اسی طرح امیر نے یہ بات بھی وضاحت سے کہی کہ ایک منظّم فوج کے خلاف جنگ کسی دوسری منظّم طاقت کی سرپرستی کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی، چنانچہ انھوں نے ابتدا میں شاہ مراکش سے اس جدوجہد کی سیاسی سرپرستی کی درخواست کی اور پھر اس میں ناکامی کے بعد الجزائر کی نمائندہ قبائلی طاقتوں کی تائید سے اپنی امارت قائم کرنے کے بعد ہی عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔

۴۔ امیر عبد القادر نے اس بدیہی حقیقت کا بھی ادراک کیا کہ جنگ میں فریقین کے مابین طاقت کے ایک خاص توازن اور عسکری تربیت میں دشمن کی برابری حاصل کیے بغیر زیادہ دیر تک میدان جنگ میں نہیں ٹھہرا جا سکتا، چنانچہ انھوں نے اپنی فوج کو مغربی طرز پر منظّم کیا اور جدید طرز کی اسلحہ سازی کے لیے مغربی ملکوں سے مطلوبہ سامان اور ماہرین فراہم کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی۔ امیر کی حکمت عملی کا یہ پہلو بھی بے حد قابل توجہ ہے کہ انھوں نے اپنی جدوجہد کا ہدف کسی نظری آئیڈیل کی روشنی میں نہیں، بلکہ زمینی حقائق کی روشنی میں متعین کیا اور الجزائر کی سرزمین سے فرانس کو کلیتاً بے دخل کر دینے کو اپنا ہدف قرار دینے کے بجاے اس بات کو قبول کیا کہ فرانس کی عمل داری ساحلی شہروں تک محدود رہے، جبکہ الجزائر کے باقی علاقے میں مسلمانوں کی ایک آزاد امارت قائم ہو۔

۵۔ امیر عبد القادر کے ہاں عملی حقائق کے ادراک کا ایک ممتاز پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے عالمی حالات اور دنیا کے تہذیبی ارتقا پر نظر رکھتے ہوئے درست طور پر یہ سمجھا کہ مغربی اقوام نے تمدن اور سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے، وہ

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

درحقیقت انسانیت کی مشترکہ میراث ہے اور مسلمان بھی اس سے پوری طرح مستفید ہو سکتے ہیں، چنانچہ انھوں نے نہ صرف فرانسیسی حکمرانوں کے نام خطوط میں جا بجا اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ فرانس اور الجزائر کے مابین دشمنی کے بجاے دوستی کا تعلق قائم ہونا چاہیے تاکہ دونوں قومیں مفادات کے اشتراک کی بنیاد پر ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکیں، بلکہ عملاً بھی اپنی امارت کے تحت الجزائری قوم کی تنظیم نو میں امیر نے مغرب کے تجربات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

۶۔ امیر عبدالقادر کی جدوجہد سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے جان و مال کو جنگ میں بے فائدہ ضائع کرانے اور ایک لاحاصل جدوجہد کو جاری رکھنے کو شرعی تقاضا نہیں سمجھتے اور ان کے نزدیک کسی غیر مسلم قابض کے خلاف جہاد کی ذمہ داری اسی وقت تک عائد ہوتی ہے جب اس کی کامیابی کے لیے درکار عملی اسباب و وسائل میسر اور امکانات موجود ہوں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جدوجہد کے آخری مرحلے پر جب یہ دیکھا کہ الجزائری قوم ان کا ساتھ چھوڑ کر فرانسیسی کیمپ کا حصہ بن چکی ہے اور خود ان کے ساتھ وابستہ ایک چھوٹا سا گروہ بھی مسلسل خطرے میں ہے تو انھوں نے کسی جھجک کے بغیر نہایت جرات سے یہ فیصلہ کر لیا کہ الجزائر کی سرزمین پر فرانس کی حکمرانی خدا کی منشا ہے اور اس کو تسلیم کر لینا ہی دانش مندی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۷۔ امیر عبدالقادر کے تصور جہاد کا ایک نہایت اہم پہلو اسلام کی جنگی اخلاقیات کی پابندی کرنا ہے اور اس ضمن میں ان کا پیش کردہ نمونہ ہی دراصل مغربی دنیا میں ان کے تعارف اور تعظیم و احترام کی اصل وجہ ہے۔ امیر نے نہ صرف جدوجہد آزادی کے دوران میں فرانسیسی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی مذہبی ضروریات کا فراخ دلی اور اعلیٰ ظرفی سے بندوبست کیا، بلکہ دمشق میں رہایش کے زمانے میں ۱۸۶۰ء میں ہونے والے مسلم مسیحی فسادات میں بھی ہزاروں مسیحی باشندوں کی حفاظت کے لیے عملی کردار ادا کر کے اسلامی اخلاقیات کی ایک معیاری اور قابل تقلید مثال پیش کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ تمام حوالوں سے امیر عبدالقادر کی جدوجہد عصر حاضر میں مغرب کے سیاسی و اقتصادی تسلط کے خلاف عسکری جدوجہد کرنے والے گروہوں کے لیے اپنے اندر راہ نمائی کا بڑا سامان رکھتی ہے اور امیر عبدالقادر کے فلسفہ جنگ اور طرز جدوجہد کے ان پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے*۔

---

* جان کائزر کی کتاب کا اردو ترجمہ دارالکتاب لاہور (0321-4245355) اور مکتبہ امام اہل سنت گوجرانوالہ (0306-6426001) سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

محمد عمار خان ناصر

مولانا مودودی کی تعبیر جہاد

(۱۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا نے قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں 'فساد' کی تشریح کرتے ہوئے ان پہلووں کو تو بیان کیا ہے جو ان کے پیش نظر نکتے کو واضح کرنے کے لیے مفید ہیں، لیکن قرآن ہی کے ایسے استعمالات سے صرف نظر کر لیا ہے جو ان کے اپنے قائم کردہ مقدمے، یعنی یہ کہ کفر اور شرک اور گمراہانہ اعتقادات جہاد کی مشروعیت کی وجہ نہیں ہیں، کی نفی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں 'فساد فی الارض' اصلاً خدا کی بندگی اور اطاعت کے مقابلے میں انحراف اور سرکشی کے مفہوم میں بولا جاتا ہے اور انبیا کی تعلیمات کے ساتھ کفر اور ان کی تکذیب کو بھی 'فساد' قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ یونس میں ہے:

بَلْ كَذَّبُواْ بِمَا لَمْ يُحِيطُواْ بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ. وَمِنهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لاَّ يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ. (۳۹-۴۰)

''بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا یہ احاطہ نہیں کر سکے اور جس کی اصل حقیقت ابھی تک ان کے سامنے نہیں آئی۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا تو دیکھو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے

اور تیرا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

نمل کی آیت ۱۴ میں فرعون اور آل فرعون کو کھلی نشانیاں سامنے آ جانے کے بعد ان کا انکار کرنے کی بنیاد پر ’مفسدین‘ کہا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں سیدنا مسیح کی الوہیت کے حوالے سے نصاریٰ کے عقیدے کی تردید کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:

إِنَّ هَـٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَـٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. فَإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ. (۶۲-۶۳)

’’بے شک یہی (اس معاملے) کا مبنی بر حقیقت بیان ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر یہ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘

سورۂ اعراف میں کہا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ خلق و امر میں کسی کو شریک سمجھنا اور اس سے اپنی مرادیں مانگنا بھی ’فساد فی الارض‘ ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ. ادْعُواْ رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. وَلَا تُفْسِدُواْ فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفاً وَطَمَعاً إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ. (۵۴-۵۶)

’’سن لو، کائنات کی تخلیق اور تدبیر امور اللہ ہی کے لیے ہے۔ بہت بابرکت ہے اللہ جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور چپکے چپکے۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو اور اللہ کو پکارو اس سے خوف کرتے اور اس سے توقع رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔‘‘

اب اگر مولانا کے طریق استدلال کی رو سے یہ کہا جائے کہ قرآن جب قتال کی مشروعیت کی وجہ ’فساد‘ کو قرار دیتا ہے تو اس سے مراد بگاڑ کی ہر وہ صورت ہوتی ہے جس پر قرآن میں ’’فساد‘‘ کا اطلاق ہوا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ خود کفر و شرک کا خاتمہ یا اس کے علم برداروں کو اس کی سزا دینا بھی جہاد کے محرکات میں شامل ہے، جبکہ مولانا کی ساری توجیہ کا مطمح نظر ہی یہ ہے کہ ایمان و اعتقاد کی گمراہیوں کو جہاد کے محرکات اور اہداف سے الگ رکھا جائے۔

بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن عمومی مفہوم میں فساد کی ہر صورت کے ازالے کے لیے قتال کو مسلمانوں پر فرض کرنا چاہتا ہے، تب بھی اس سے وہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکلتا جو مولانا نکالنا چاہتے ہیں، یعنی یہ کہ دنیا کی تمام قوموں

سے ان کا حق خود اختیاری چھین کر انھیں اسلامی اقتدار کے تابع کر دیا جائے۔ قرآن کی رو سے قتال کا ہدف یہ ہے کہ فتنہ اور فساد ختم ہو جائے۔ اگر مولانا کے مفروضے کے مطابق یہ تسلیم کر لیا جائے کہ دنیا کی تمام قومیں کسی نہ کسی صورت میں فتنہ وفساد میں مبتلا ہیں جس کے ازالے کے لیے قتال ضروری ہے تو بھی زیر بحث نصوص میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ اس مقصد کے حصول کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ جو قوم بھی اس کی مرتکب ہو، اسے حق خود اختیاری سے محروم کر دیا جائے۔[1]

دفع فتنہ وفساد کے اصول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قرآن مجید کی تصریحات کے برعکس ہے، اس لیے کہ قرآن نے اس اصول کے تحت قتال کے جو اطلاقی احکام بیان کیے اور جو تحدیدات عائد کی ہیں، وہ واضح طور پر یہ بتاتی ہیں کہ قرآن دنیا میں فساد کے وجود کو علی الاطلاق قتال کی مشروعیت کی وجہ قرار نہیں دینا چاہتا، بلکہ اس کے نزدیک یہ اجازت ایک مخصوص نوعیت کے فساد کے ازالے کے لیے اور ایک محدود دائرے میں دی گئی ہے اور وہ اس کا نتیجہ لازماً قوموں کے حق خود اختیاری کی نفی یا کسی عالمگیر اسلامی حکومت کے قیام کی صورت میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ چنانچہ سورۂ انفال کی آیات ۷۲-۷۳ میں، جو اوپر نقل کی گئی ہیں، یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کچھ افراد دار الکفر میں مقیم ہوں اور اہل کفر کے ظلم وستم کا شکار ہوں تو ان کی امداد دو باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دار الاسلام کے باسیوں پر فرض ہے: ایک یہ کہ وہ ان سے دین کے معاملے میں مدد کے طالب ہوں اور دوسری یہ کہ کافر قوم کے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ نہ ہو۔

یہ دونوں قیدیں بے حد اہم ہیں۔ ان میں سے پہلی قید یہ واضح کرتی ہے کہ مسلمانوں کا نظم اجتماعی، اہل کفر کے نظم اجتماعی کے تحت زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کو ظلم وستم سے بچانے کا فیصلہ ان کی نصرت اور ہمدردی کے جذبے سے از خود نہیں، بلکہ مظلوم فریق کی طرف سے مدد طلب کیے جانے پر ہی کرے گا۔ یہ ایک بے حد حکیمانہ ہدایت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مظلوم فریق صبر اور تحمل کے ساتھ اپنے حالات کا مقابلہ خود کرنا چاہتا اور اپنے لیے داخلی

---

[1] سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ میں اہل کتاب کو محکوم بنا کر ان پر جزیہ عائد کرنے کا جو حکم دیا گیا یا آیت ۳۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ہدف غلبۂ اسلام کو قرار دیا گیا ہے، اس کے بارے میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس کا باعث اہل کتاب کا فتنہ وفساد نہیں، بلکہ ان کا کفر تھا۔ ہمارا اعتراض مولانا مودودی پر ہے جو 'کفر' کو فی نفسہٖ قتال کا باعث تسلیم نہیں کرتے اور اس حکم کی وجہ بھی کفار کے فتنہ وفساد کو قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات نہ عقلی اور منطقی لحاظ سے درست ہے اور نہ 'دفع فتنہ وفساد' کی غرض سے قتال کی مشروعیت کو بیان کرنے والے نصوص اس کی تائید کرتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سطح پر کوئی حکمت عملی اختیار کرنا چاہتا ہے یا کسی وجہ سے بیرونی مداخلت کو قرین مصلحت نہیں سمجھتا یا مسلمانوں کے جس گروہ سے مدد کی توقع کی جا سکتی ہے، اس سے مدد لینے کو مناسب نہیں سمجھتا یا قومی اور قبائلی عصبیت کے زیر اثر اپنی قوم کے حق خود اختیاری کو زیادہ قابل ترجیح سمجھتا ہے تو اسے اس کا فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے جسے نظر انداز کرتے ہوئے اسے ظلم وستم سے بچانے کی کوئی ذمہ داری قرآن مجید مسلمانوں کے کسی آزاد اور بااختیار نظم اجتماعی پر عائد نہیں کرنا چاہتا۔

دوسری قید یہ واضح کرتی ہے کہ خود حفاظتی کے دائرے سے باہر اس اختیار کا توسیعی استعمال دنیا میں بسنے والی مختلف قوموں کے حق خود اختیاری اور قوموں کے باہمی تعلقات کی کلیتاً نفی کرتے ہوئے نہیں، بلکہ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔ یہ ہدایت اس تناظر میں بطور خاص قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید نے سورۂ انفال کی آیت ۵۸ میں یہ اجازت دی ہے کہ اگر مسلمانوں کو اپنے ساتھ معاہدہ کرنے والے کسی غیر مسلم گروہ سے بدعہدی کا خدشہ بھی ہو تو اس کے ساتھ معاہدہ توڑا جا سکتا ہے، جبکہ یہاں دار الکفر کے مسلمانوں کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ان پر بالفعل ظلم ہو رہا ہو اور وہ مسلمانوں سے مدد کے طالب ہوں، تب بھی معاہدے کی پاس داری کی جائے گی اور مظلوموں کی مدد کے لیے کوئی جنگی اقدام نہیں کیا جائے گا۔

پھر قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ فتنہ کے خاتمے کا طریقہ لازماً یہی نہیں کہ اہل کفر پر مسلمانوں کی حکومت قائم کر دی جائے، بلکہ اگر مظلوم مسلمانوں کو ان کے چنگل سے آزادی دلا کر کسی دوسرے علاقے کی طرف منتقل کر دیا جائے تو قرآن کا منشا اس صورت میں بھی پورا ہو جاتا ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيْراً. (۴:۷۵)	’’تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور کفار کی چیرہ دستی کا شکار ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے قتال نہیں کرتے جو یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ یا اللہ، ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی مددگار اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی حامی بھیج دے۔‘‘

آیت سے واضح ہے کہ ان مظلوم مسلمانوں کی مدد کی جو صورت اہل ایمان سے مطلوب تھی، وہ ظالموں سے

حکومت چھین کر انھیں اسلامی اقتدار کا تابع بنا دینا نہیں، بلکہ مظلوموں کو اس علاقے سے نکال کر انھیں دارالامن تک پہنچانا تھا۔ یہی بات سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے بھی واضح ہوتی ہے جنھوں نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے سرزمین مصر پر اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت اس سے صرف یہ مطالبہ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے اس ملک سے جانے دے۔ یہ فرعون تھا جس نے اپنی قوم کی عصبیت کو ابھارنے کے لیے سیدنا موسیٰ کے پیغام کو سیاسی رنگ دیا اور کہا کہ موسیٰ دراصل مصر کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ خود مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''وہ حضرت موسیٰ کی معقول و مدلل تقریر اور پھر ان کے معجزے کو دیکھ کر یہ سمجھ گیا تھا کہ نہ صرف اس کے اہل دربار بلکہ اس کی رعایا کے بھی عوام و خواص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اس لیے اس نے جھوٹ اور فریب اور تعصّبات کی انگیخت سے کام نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے کہا یہ معجزہ نہیں جادو ہے اور ہماری سلطنت کا ہر جادوگر اسی طرح لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ لوگو ذرا دیکھو، یہ تمھارے باپ دادا کو گمراہ اور جہنمی ٹھیراتا ہے۔ اس نے کہا کہ لوگو، ہوشیار ہو جاؤ، یہ پیغمبر ویغمبر کچھ نہیں ہے، اقتدار کا بھوکا ہے۔ چاہتا ہے کہ یوسف کے زمانے کی طرح پھر بنی اسرائیل یہاں حکمراں ہو جائیں اور قبطی قوم سے سلطنت چھین لی جائے۔ ان ہتھکنڈوں سے وہ دعوت حق کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔'' (تفہیم القرآن ۳/۱۰۰)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن کی بیان کردہ مذکورہ تحدیدات فتنہ وفساد کی اس صورت یعنی مذہبی ایذا رسانی کے خاتمے حوالے سے ہیں جسے وہ قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم قرار دیتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا مودودی نے فتنہ وفساد کی ایسی صورتوں کے خاتمے کے لیے جو اس سے کئی درجہ کم سنگین ہیں -- مثلاً رعایا میں نسلی امتیاز قائم کرنا اور ان میں پھوٹ ڈالنا، ناجائز اور غلط قوانین جاری کرنا، تجارتی کاروبار میں بے ایمانی کرنا اور شاہراہوں پر ڈاکے ڈالنا، ان روابط و تعلقات کو خراب کرنا جو انسانی تمدن کی بنیاد ہیں، اور حاکمانہ طاقت کو ظلم و ستم اور غارت گری کے لیے استعمال کرنا وغیرہ — قوموں کے حق خود اختیاری کی نفی اور عالمگیر اسلامی حکومت کے قیام کا جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ قرآن کے مدعا سے کس قدر متجاوز ہے۔

۳۔ مولانا کو اس بات کا احساس ہے کہ ان کا بیان کردہ یہ مقدمہ کہ دنیا کے باطل نظام ہائے حکومت اسلام کی نظر میں فی نفسہٖ اپنا کوئی قانونی جواز نہیں رکھتے، جہاد سے متعلق نصوص میں تصریحاً بیان نہیں ہوا۔ چنانچہ انھوں نے اس مقدمے کو قرآن مجید کی چند دیگر آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے درج ذیل نصوص

سے استدلال کیا ہے:

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ. (محمد ۴۷:۳۸)

''اگر تم حق سے منہ پھیرو گے تو اللہ تمھارے بدلے دوسری قوم کو کھڑا کرے گا اور وہ لوگ تم جیسے نہیں ہوں گے۔''

إِلَّا تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً أَلِيماً وَيَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئاً. (التوبہ ۹:۳۹)

''اگر تم راہ الٰہی میں جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تمھیں دردناک مصائب میں مبتلا کرے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔''

إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ. (النساء ۴:۱۳۳)

''لوگو! اگر خدا چاہے تو تمھیں ہٹا دے اور دوسرے لوگوں کو تمھاری جگہ لے آئے۔''

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ. (الانبیاء ۲۱:۱۰۵)

''ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ ''زمین'' کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔''

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

مذکورہ آیات سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس معنی کی آیات قرآن میں بکثرت آئی ہیں اور ان سب کا منشا یہ ہے کہ حکومت اور بادشاہی کا حق صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے۔ جو قوم صلاحیت کھو دیتی ہے، وہ اس حق کو بھی کھو دیتی ہے، اور جو صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتی ہے، وہ اس حق کو بھی حاصل کر لیتی ہے۔'' (الجہاد فی الاسلام ۱۴۷)

تاہم، یہ تمام آیات زیر بحث نکتے سے قطعاً غیر متعلق ہیں اور ان میں سے کسی میں بھی مولانا کا دعویٰ، یعنی یہ کہ اگر دنیا میں کوئی قوم فساد اور بگاڑ کا شکار ہو جائے تو وہ اپنا آزادانہ نظم حکومت قائم کرنے کے حق سے محروم ہو جاتی ہے، نہ تو تصریحاً بیان ہوا ہے اور نہ وہ استنباطاً اس مقدمے کے لیے ماخذ بن سکتی ہیں۔ ان میں سے سورۂ نساء کی آیت 'ان یشا یذھبکم ایھا الناس ویات بآخرین' جس سلسلہ بیان میں آئی ہے، وہ یوں ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُواْ اللّهَ وَإِن تَكْفُرُواْ فَإِنَّ لِلّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

''اور یقیناً ہم نے ان لوگوں کو بھی جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، یہ تاکید کی تھی اور تمھیں بھی کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اگر تم کفر کرو گے تو (اللہ کا

فِیۡ الۡأَرۡضِ وَکَانَ اللّہُ غَنِیّاً حَمِیۡداً. وَلِلّہِ مَا فِیۡ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِیۡ الأَرۡضِ وَکَفَی بِاللّہِ وَکِیۡلاً. إِن یَشَأۡ یُذۡہِبۡکُمۡ أَیُّہَا النَّاسُ وَیَأۡتِ بِآخَرِیۡنَ وَکَانَ اللّہُ عَلَی ذَلِکَ قَدِیۡراً. (۴:۱۳۱-۱۳۳)

کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ) اللہ ہی کے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز، تعریف کا سزاوار ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی بطور کارساز کافی ہے۔ اے لوگو، اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور (تمھاری جگہ) دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری طرح قادر ہے۔''

آیت سے واضح ہے کہ یہاں نہ تو سیاسی معنوں میں کسی قوم سے دنیوی اقتدار چھین کر صالحین کے سپرد کیے جانے کا مسئلہ زیر بحث ہے اور نہ امت مسلمہ کے لیے اس ضمن میں کوئی قانونی اختیار بیان کیا گیا ہے۔ مقصود کلام یہ واضح کرنا ہے کہ خدا اپنی بادشاہی میں کسی قوم یا گروہ کا محتاج نہیں، بلکہ زمین وآسمان کا مالک اور سب سے بے نیاز ہے۔ وہ اگر کسی قوم کو کسی مقصد کے لیے منتخب کرتا ہے تو اس سے مقصود اس کو آزمانا اور کامیابی کی صورت میں اپنے انعام کا مستحق بنانا ہوتا ہے اور اگر وہ قوم راہ راست سے انحراف کا طریقہ اختیار کرے تو خدا بڑی بے نیازی سے اسے ہٹا کر کسی دوسری قوم کو اس کی جگہ دے دیتا ہے۔ مولانا مودودی 'تفہیم القرآن' میں اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''تمھیں اور تمھاری طرح پچھلے تمام انبیا کی امتوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی رہی ہے کہ خدا ترسی کے ساتھ کام کرو۔ اس ہدایت کی پیروی میں تمھاری اپنی فلاح ہے، خدا کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم اس کی خلاف ورزی کرو گے تو پچھلی تمام امتوں نے نافرمانیاں کر کے خدا کا کیا بگاڑ لیا ہے جو تم بگاڑ سکو گے۔ اس فرماں روائے کائنات کو نہ پہلے کسی کی پروا تھی نہ اب تمہاری پروا ہے۔ اس کے امر سے انحراف کرو گے تو وہ تم کو ہٹا کر کسی دوسری قوم کو سربلند کر دے گا اور تمہارے ہٹ جانے سے اس کی سلطنت کی رونق میں کوئی فرق نہ آئے گا۔'' (تفہیم القرآن ۱/۴۰۵)

یہی معاملہ سورۂ محمد کی آیت ۳۸ اور سورۂ توبہ کی آیت ۳۹ کا ہے۔ یہاں بھی نہ تو نافرمان اور بدکار قومیں مخاطب ہیں اور نہ دنیوی حکومت واقتدار کی اہلیت کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ توبہ میں اس آیت کا سیاق یہ ہے:

یَا أَیُّہَا الَّذِیۡنَ آمَنُواۡ مَا لَکُمۡ إِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انفِرُواۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّہِ اثَّاقَلۡتُمۡ إِلَی الأَرۡضِ أَرَضِیۡتُم بِالۡحَیَاۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الآخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیَاۃِ الدُّنۡیَا فِیۡ الآخِرَۃِ إِلاَّ قَلِیۡلٌ.

''اے ایمان والو، تمھیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کے ساتھ چپک رہتے ہو! کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تو پھر آخرت

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (۹: ۳۷-۳۸)

میں دنیا کی زندگی کا سامان بہت ہی تھوڑی وقعت رکھے گا۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدل دے اور تم اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘

سورۂ محمد میں ارشاد ہوا ہے:

هَاأَنتُمْ هَؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ. (۴۷: ۳۸)

’’سو دیکھو، تم تو یہ ہو کہ تمھیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تو بے نیاز ہے اور تم ہی محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ موڑ لو گے تو اللہ تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدل دے گا، پھر وہ تمھارے جیسے نہیں ہوں گے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

صاف واضح ہے کہ دونوں مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اہل ایمان کو مخاطب کر کے انھیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ جہاد سے اعراض اختیار کریں گے تو خدا ان کی جگہ کسی اور گروہ کو اس خدمت کے لیے منتخب کر لے گا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

’’یعنی خدا کا کام کچھ تم پر منحصر نہیں ہے کہ تم کرو گے تو ہو گا ورنہ نہ ہو گا۔ درحقیقت یہ تو خدا کا فضل و احسان ہے کہ وہ تمھیں اپنے دین کی خدمت کا زریں موقع دے رہا ہے۔ اگر تم اپنی نادانی سے اس موقع کو کھو دو گے تو خدا کسی اور قوم کو اس کی توفیق بخش دے گا اور تم نامراد رہ جاؤ گے۔‘‘ (تفہیم القرآن ۲/ ۱۹۵)

جہاں تک سورۂ انبیاء کی آیت: ’ان الارض یرثھا عبادی الصلحون‘ کا تعلق ہے تو تفہیم القرآن میں اس آیت کے تحت مولانا مودودی نے ہی ان لوگوں کے نقطۂ نظر کی واضح تردید کی ہے جو اس آیت سے دنیوی حکومت واقتدار کے حوالے سے خدا کے قانون اور ضابطے کو اخذ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

’’ہر آیت کے صحیح معنی صرف وہی ہو سکتے ہیں جو سیاق و سباق سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اگر یہ غلطی نہ کی جاتی تو آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا تھا کہ اوپر سے جو مضمون مسلسل چلا آ رہا ہے، وہ عالم آخرت میں مومنین صالحین اور

کفار ومشرکین کے انجام سے بحث کرتا ہے۔ اس مضمون میں یکا یک اس مضمون کے بیان کرنے کا آخر کون سا موقع تھا کہ دنیا میں وراثت زمین کا انتظام کس قاعدے پر ہو رہا ہے۔ تفسیر کے صحیح اصولوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو آیت کا مطلب صاف ہے کہ دوسری تخلیق میں، جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں ہوا ہے، زمین کے وارث صرف صالح لوگ ہوں گے اور اس ابدی زندگی کے نظام میں موجودہ عارضی نظام زندگی کی سی کیفیت برقرار نہ رہے گی کہ زمین پر فاسقوں اور ظالموں کو بھی تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔'' (۱۹۰/۳-۱۹۱)

مولانا نے بعض آیات سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ قرآن مجید نے ہلاک کی جانے والی قوموں کے جرائم میں ایک جرم یہ بھی شمار کیا ہے کہ وہ جابر اور سرکش حکمرانوں کی پیروی کیا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر قوم عاد کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَاتَّبَعُوْا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ. (ہود ۱۱: ۵۹)

''اور انھوں نے ہر سرکش اور ہٹ دھرم کی پیروی اختیار کر لی۔''

اسی طرح حضرت صالح نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تُطِيْعُوْا أَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ. الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ. (الشعراء ۲۶: ۱۵۲)

''اور تم حد سے بڑھ جانے والوں کے معاملے کی اطاعت نہ کرو، جو زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''

سورۂ کہف میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا. (۱۸: ۲۸)

''اور تم اس کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔''

مولانا ان آیات سے یہ اخذ کرنا چاہتے ہیں کہ جابر و ظالم حکمرانوں کی حکومت کوئی قانونی اور اخلاقی جواز نہیں رکھتی اور اس کی اطاعت پر قائم رہنا بھی فساد کے زمرے میں آتا ہے۔ (الجہاد فی الاسلام ۱۱۸-۱۱۹) تاہم یہ تمام آیات بھی زیر بحث نکتے سے غیر متعلق ہیں اور ان میں سے کسی میں بھی حکومت اور نظام حکومت کا معاملہ سرے سے زیر بحث ہی نہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ قوم عاد نے واضح نشانیاں سامنے آجانے کے باوجود اللہ کے رسولوں کی بات ماننے کے بجائے اپنے ضدی اور متکبر لیڈروں کی روش پر چلنے کو ترجیح دی اور اس کے نتیجے میں خدا کے عذاب کی مستحق قرار پائی۔ پوری آیت یوں ہے:

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ.

''اور یہ عاد تھے جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور ہٹ دھرم کی پیروی اختیار کر لی۔''

صاف واضح ہے کہ 'اتباع امر' کی تعبیر یہاں نظام حکومت کی پیروی کے معنی میں نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت اختیار کرنے کے بالمقابل اپنے لیڈروں کی ہٹ دھرمی میں ان کا ساتھ دینے کے مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔

یہی معاملہ حضرت صالح سے متعلق آیات کا ہے۔ وہ سیاسی مفہوم میں قوم کو یہ دعوت نہیں دے رہے کہ وہ اپنے موجودہ سیاسی نظم کی اطاعت سے دست کش ہو کر ان کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کر لے، بلکہ نہایت دردمندی کے ساتھ یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ انھوں نے ایمان و اخلاق کی جو تعلیم خدا کے حکم سے ان کے سامنے پیش کی ہے، قوم اسے قبول کر لے اور اپنے سرکش اور خدا کے باغی سرداروں کی پیروی میں اسے ٹھکرانے کی روش اختیار نہ کرے۔

جہاں تک سورۂ کہف کی آیت ۲۸ کا تعلق ہے تو اسے زیر بحث نکتے کے ضمن میں پیش کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا اپنے مقدمے کی تائید کے لیے کوئی مضبوط نقلی دلیل نہ پا کر انتہائی غیر متعلق آیات کو بطور دلیل نقل کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ اس آیت میں نہ تو حکومت و اقتدار کا مسئلہ زیر بحث ہے اور نہ کوئی غیر مسلم قوم مخاطب ہے جسے 'فاسد نظام حکومت' کی اطاعت سے دست کش ہونے کا حکم دیا جا رہا ہو۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ آپ اپنے مدعوین میں سے ان لوگوں کو اپنی توجہ اور عنایت کا زیادہ مستحق سمجھیں جو خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو نظر انداز کرتے ہوئے خدا کی یاد سے غافل اور اپنی خواہشات میں مست ہو جانے والے بے پروا لوگوں کی زیادہ فکر نہ کریں۔ ارشاد ہوا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطاً. (الکہف ۱۸: ۲۸)

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ وابستہ کیے رکھو جو اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبح اور شام اس کو پکارتے ہیں۔ اور تم دنیا کی زندگی کی زینت کی خواہش سے ان سے صرف نظر نہ کرو اور نہ اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔''

صاف واضح ہے کہ 'لا تطع من اغفلنا قلبہ' کا جملہ یہاں 'و اصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم' کے تقابل میں استعمال ہوا ہے اور 'لا تطع' کا مفہوم یہاں کسی حکمران کی اطاعت کرنا نہیں، بلکہ کسی کی فکر میں مبتلا رہنا یا اس کی بات کو اہمیت دینا ہے۔ خود مولانا مودودی نے 'تفہیم القرآن' میں اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ ''یعنی اس کی بات نہ مانو، اس کے آگے نہ جھکو، اس کا منشا پورا نہ کرو اور اس کے کہے پر نہ چلو۔ یہاں ''اطاعت'' کا لفظ اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔'' (تفہیم القرآن ۳/ ۲۳)

اوپر کی سطور میں مولانا مودودی کے نقطۂ نظر کا جو تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا نے مستقل اور متباین نظری اساسات پر مبنی جہاد و قتال کی دو الگ الگ صورتوں کو گڈمڈ کر کے انھیں ایک ہی اساس یعنی فتنہ و فساد کے تحت واضح کرنے کی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جہاد کا مبینہ مقصد حاصل کرنے کے لیے دنیا کی تمام غیر مسلم حکومتوں کا خاتمہ اور عالمگیر اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہے۔ اس کے لیے ایک طرف انھیں ان نصوص کی غیر متبادر تاویل کرنی پڑی جو کفر و ایمان کے تناظر میں قتال کا حکم دیتی ہیں اور دوسری طرف فتنہ و فساد کے مفہوم میں ایسی وسعت پیدا کرنی پڑی جس کے نتیجے میں جہاد کی عالمگیریت کا اصول اخذ کیا جا سکے۔ تاہم جیسا کہ ہم نے واضح کیا، اعتقادی اساس کو چھوڑ کر مولانا نے فتنہ و فساد کے اخلاقی اصول پر جہاد کی تعمیم کرنے کی جو کوشش کی ہے، وہ منطقی استدلال کے لحاظ سے نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مزید برآں 'الجہاد فی الاسلام' چونکہ مولانا کی ابتدائی علمی کاوش ہے اور اس کا مطمح نظر بھی اسلام کے فلسفہ جہاد کو عقلی لحاظ سے برتر ثابت کرنا ہے، اس وجہ سے اس کا انداز تحریر خطیبانہ ہے، حتیٰ کہ علمی استدلال پیش کرتے ہوئے ہوئے بھی منطقی معیار پر مقدمات کی توضیح کے بجائے زیادہ تر خطیبانہ طرز استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ اسی رجحان کے زیر اثر مولانا بہت سے اہم پہلوؤں پر توجہ نہیں دے سکے۔ مثلاً ان کی تعبیر اعتراض کے اصل نکتے کا سرے سے کوئی جواب ہی نہیں دیتی، کیونکہ معترضین کا اصل اعتراض یہ نہیں کہ اقوام عالم کے خلاف جنگ کے لیے اسلام جو محرک اور داعیہ متعین کرتا ہے، وہ غیر اخلاقی ہے، بلکہ یہ ہے کہ اسلام دنیا کے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لیے آزادی اور خود مختاری کا حق تسلیم نہیں کرتا، جبکہ مولانا کی توجیہ کی رو سے یہ نتیجہ جوں کا توں برقرار رہتا ہے، اس لیے کہ ان کی پیش کردہ تعبیر اس نتیجے کو بعینہٖ تسلیم کرتے ہوئے صرف یہ واضح کرتی ہے کہ اسلام کے اس تصور کا محرک ہوس ملک گیری یا مذہبی جبر کا کوئی غیر اخلاقی جذبہ نہیں، بلکہ اقوام عالم کی اخلاقی حالت کو سدھارنے اور ان کے تمدن

اور معاشرت کی اصلاح کا ایک نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاقی جذبہ ہے۔

مزید برآں مولانا نے اپنی تعبیر پر پیدا ہونے والے بعض نہایت بنیادی سوالات سے یا تو تعرض ہی نہیں کیا اور یا اس طرح سرسری طور پر ان کا ذکر کیا ہے کہ اسے 'عدم تعرض' کہنا ہی زیادہ موزوں ہے۔

مثلاً ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی قوموں کی اصلاح کے لیے اگر امت مسلمہ کو یہ اختیار دیا ہے تو کیا وہ کوئی فرشتوں کی جماعت ہے جو بالکل بے غرضی کے ساتھ تا قیامت دوسری قوموں کی اصلاح کی یہ خدمت انجام دیتی رہے گی؟ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اہم سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اقوام عالم میں پیدا ہونے والے جس بگاڑ اور فساد کی اصلاح کی ذمہ داری مولانا کے نزدیک امت مسلمہ کو تفویض کی گئی ہے، کیا خود امت مسلمہ اس کا شکار ہونے سے محفوظ کر دی گئی ہے؟ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اقتدار پانے کے بعد انسان بے لگام ہو جاتا اور اس کی جبلت کے فسادات کو ظہور پذیر ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ ایک مشترک انسانی کمزوری ہے جس سے دنیا کا کوئی گروہ، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، مستثنیٰ نہیں۔ یہ صرف ایک نظری بات نہیں، بلکہ تاریخ کی عملی شہادت بھی یہی ہے اور نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ خود بنی اسماعیل کی تاریخ بھی اس کی گواہ ہے۔ اب اگر کسی غیر مسلم گروہ کی حکومت کو، اقتدار سے منتج ہونے والے فساد کے پیش نظر ختم کرنا جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کی جگہ ایک مسلم حکومت کا قیام بھی تو انسانوں ہی کے ہاتھوں ہونا ہے۔ آخر اس کی کیا ضمانت ہے کہ الٰہی شریعت اور دین کی حامل قوم اقتدار پانے کے بعد انھی اخلاقی فسادات اور قبائح کا شکار نہیں ہوگی؟

اس سوال کا جو جواب مولانا نے دیا ہے، وہ دلچسپ ہے۔ لکھتے ہیں:

''اسلام کے اس عقیدہ کے مطابق حکومت کی اچھائی کا معیار نہ اس کا قومی اور خود اختیاری ہونا ہے اور نہ اس کی برائی کا معیار اجنبی یا غیر خود اختیاری ہونا۔ اصل سوال صرف یہ ہے کہ حکومت کا نظام عادلانہ اور حق پرستانہ ہے یا نہیں؟ اگر پہلی صورت ہے تو اسلام اس کو مٹانے کی کوشش تو درکنار، ایسے ارادہ کو بھی گناہ اور ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں وہ ایک ظالمانہ نظام حکومت کو مٹا کر ایک سچا عادلانہ نظام حکومت قائم کرنا اولین فرض قرار دیتا ہے۔ قومی اور اجنبی کے سوال سے اس نے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض نہیں کیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک حکومت کے اچھے یا برے ہونے کے سوال پر اس کے قومی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ غیر قومی حکومت عموماً ظالم و جابر ہوتی ہے، کیونکہ ایک قوم دوسری قوم پر حکومت قائم ہی اس لیے کرتی ہے کہ اسے غلام بنا کر اپنی مصلحت کے لیے استعمال کرے اور اس کے برعکس قومی حکومت میں اصلاح پذیری کی صلاحیت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

زیادہ ہوتی ہے۔لیکن باوجود اس کے یہ ضروری نہیں ہے کہ قومی حکومت ہر حال میں بہتر ہو اور غیر قومی حکومت کسی حال میں عادل نہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک قوم پر خود اس کے اپنے سرکش افراد شیطان کی طرح مسلط ہو جائیں اور اسے اپنی شخصی اغراض کا غلام بنا کر تباہ و برباد کر دیں۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک قوم کو غیر قوم کے نیک نفس اور بے غرض مصلحین ظلم واستبداد کے پنجہ سے رہائی دلائیں اور اس کے لیے مادی و اخلاقی ترقی کی راہیں کھول دیں۔ پس حکومت کی خوبی کا اصلی معیار اس کا عادل وصالح ہونا ہے اور اس کی برائی کا اصلی معیار غیر عادل اور غیر صالح ہونا۔'' (الجہاد فی الاسلام ۱۴۵-۱۴۶)

بدیہی طور پر مولانا کی اس نکتہ آفرینی سے حقیقی اور عملی سوال کا جواب نہیں ملتا، اس لیے کہ اصل سوال یہ ہے کہ آیا امت مسلمہ فرشتوں کی جماعت ہے جو جہاد کی اصل اسپرٹ کے ساتھ بالکل بے غرضی سے اقوام عالم کی یہ خدمت انجام دیتی رہے گی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قرآن وحدیث کی اخلاقی نصیحتوں کے علاوہ اسے کشورستانی اور جہانگیری کے جذبے سے دنیا کی اقوام کو تاراج کرنے سے روکنے کا عمل اور حقیقت کی دنیا میں کیا بندوبست کیا جائے گا؟

یہ سوال بھی مولانا کے سامنے ہے کہ جن منکرات کے خاتمے کے لیے وہ امت مسلمہ کو دنیا میں 'خدائی فوجدار' کی حیثیت دینا چاہتے ہیں، جب ان کی اخلاقی برائی کا شعور انسانوں میں عمومی طور پر موجود ہے اور ہر قوم مختلف سماجی اداروں کی مدد سے ان کے سدباب کا اہتمام کرتی ہے تو کیا اسلام کسی قوم کا یہ حق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اپنی اصلاح کی کوشش خود کرے؟ مولانا اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس سے یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں ہے کہ اسلام قومی حکومت کا دشمن ہے۔ وہ ہر قوم کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنے احوال کی اصلاح خود کرے۔مگر جب کسی قوم کے اعمال بگڑ جائیں، اس کی اخلاقی حالت خراب ہو جائے اور وہ اپنے شریر و مفسد لوگوں کی پیروی واطاعت اختیار کر کے ذلت ومسکنت کی پستیوں میں گر جائے تو اسلام کے نزدیک اس قوم کو حکومت خود اختیاری کا حق باقی نہیں رہتا اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے مقابلہ میں اصلح ہوں، اس پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔'' (الجہاد فی الاسلام ۱۴۶)

لیکن مولانا اس نکتے پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے کہ اس امر کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جائے گا کہ فلاں قوم اب اپنے احوال کی اصلاح خود کرنے کے قابل نہیں رہی اور امت مسلمہ کو اس پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے؟

مولانا کے نقطۂ نظر سے یہ سوال بھی تشنہ جواب رہتا ہے کہ نہی عن المنکر کے اصول کے تحت کیا ایک مسلم حکومت اس بات کا بھی حق رکھتی ہے کہ اگر کوئی دوسری مسلم حکومت اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو تو اس کے خلاف جنگ کر کے اس

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سے حکومت واقتدار چھین لے؟

اس سوال کا بھی کوئی جواب مولانا نے نہیں دیا کہ ان کے تصور کی رو سے قانون بین الاقوام کی بنیاد کیا ہوگی؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنگ کا مقصد کسی مخصوص مذہب کی توسیع نہیں بلکہ دنیا سے فتنہ وفساد کا خاتمہ اور عدل کا قیام ہے جو ایک عام انسانی اخلاقی اصول ہے تو اس کے تحت اقوام عالم کی اصلاح کا حق دنیا کی ہر اس قوم کو حاصل ہونا چاہیے جو اس کا جذبہ اور اہلیت رکھتی ہو اور اس مشن کو لے کر دنیا کی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ 'حق' قابل اعتماد صورت میں صرف مسلمانوں کے پاس ہے، اس لیے وہی یہ حق رکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ نکتہ اقوام عالم کے مابین مسلمہ نہیں، بلکہ امت مسلمہ کا مذہبی عقیدہ ہے۔ پس اگر مسلمانوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے اخلاقی تصور کے مطابق دنیا کی اصلاح کے لیے تلوار لے کر نکل کھڑے ہوں تو دنیا کی دوسری طاقتوں کو اسی بنیاد پر یہ حق کیوں حاصل نہیں؟ کیا اس صورت میں Might is right بین الاقوامی قانون کی بنیاد قرار نہیں پاتا؟ اگر مغرب اپنے اخلاقی وتہذیبی تصورات کو بزور قوت دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش کرے تو اسے کس بنیاد پر غیر اخلاقی قرار دیا جاسکتا ہے؟

مولانا اس بات کو ملحوظ نہیں رکھتے کہ ان کا بیان کردہ اصول ایک دو دھاری تلوار ہے جو خود مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ یعنی اگر کوئی مسلم ریاست بھی جبر واستبداد کے نظام پر مبنی ہو تو کسی غیر مسلم ریاست کے لیے جو عدل وانصاف کا بول بالا کرنا چاہتی ہو، اسی اصول کی رو سے یہ جائز ہوگا کہ وہ مسلم حکومت کا خاتمہ کر کے اپنی سیاسی بالادستی میں عدل وانصاف کے قیام کی کوشش کرے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہیں، اس کے بجائے اسے صرف سیاسی اور اخلاقی ذرائع کو بروئے کار لانا چاہیے اور مسلم قوم کے لیے اپنی سیاسی خودمختاری کو قائم رکھتے ہوئے داخلی طور پر اصلاح کا حق برقرار رہنے دینا چاہیے تو یہی بات غیر مسلم قوم کے بارے میں بھی کہنی چاہیے۔

یہ نہایت سنجیدہ اور عملی سوالات ہیں، لیکن مولانا نے ان میں سے کسی کو سنجیدہ بحث کا موضوع نہیں بنایا۔

اس کے ساتھ مولانا کے موقف اور استدلال میں یکسوئی اور consistency کا قابل لحاظ فقدان پایا جاتا ہے اور تضاد اور منطقی مغالطوں یا خلط مبحث کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا ایک طرف مذہبی عداوت اور کفر وایمان کو قتال کی مشروعیت کا باعث تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ جہاد کا مقصد تلوار کے زور پر اسلام کی توسیع واشاعت کرنا نہیں، لیکن دوسری طرف اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے حوالے سے تلوار کے کردار کو تسلیم بھی

کرتے بلکہ اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کو تلوار سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جہاں تک تبلیغ دین الٰہی کی حد ہے، اس میں تلوار کا کوئی کام نہیں ہے۔ لیکن اس تبلیغ کے ساتھ کچھ چیزیں اور بھی ہیں جن کے تعاون سے دنیا میں اسلام کی اشاعت ہوتی ہے، اور وہ یقیناً تلوار کی اعانت سے بے نیاز نہیں ہیں۔ ......اگر اسلام صرف چند عقائد کا مجموعہ ہوتا اور اللہ کو ایک کہنے، رسالت کو برحق ماننے، یوم آخر اور ملائکہ پر ایمان لانے کے سوا انسان سے وہ کوئی اور مطالبہ نہ کرتا تو شاید شیطانی طاقتوں سے اس کو کچھ زیادہ جھگڑنے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون بھی ہے، ایسا قانون جو انسان کی عملی زندگی کو اوامر ونواہی کی بندشوں میں کسنا چاہتا ہے، اس لیے اس کا کام صرف پند وموعظت ہی سے نہیں چل سکتا، بلکہ اسے نوک زبان کے ساتھ نوک سنان سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے عقائد سے سرکش انسان کو اتنا بعد نہیں ہے جتنا اس کے قوانین کی پابندی سے انکار ہے۔ وہ چوری کرنا چاہتا ہے اور اسلام اسے ہاتھ کاٹنے کی دھمکی دیتا ہے۔ وہ زنا کرنا چاہتا ہے اور اسلام اسے کوڑوں کی مار کا حکم سناتا ہے۔ وہ سود کھانا چاہتا ہے اور اسلام اس کو فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ کا چیلنج دیتا ہے۔ وہ حرام وحلال کی قیود سے نکل کر نفس کے مطالبات پورے کرنا چاہتا ہے اور اسلام ان قیود سے باہر نفس کے کسی حکم کی پیروی نہیں کرنے دیتا۔ اس لیے نفس پرست انسان کی طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے اور اس کے آئینۂ قلب پر گناہ گاری کا ایسا زنگ چڑھ جاتا ہے کہ اس میں صداقت اسلام کے نور کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔'' (الجہاد فی الاسلام ۱۷۳)

اس فلسفے کی رو سے اسلام کی اشاعت کے لیے کافرانہ سوسائٹی کے پورے اخلاقی اور معاشرتی نظام کو چیلنج کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر اسلام کی تخم ریزی کا عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ مولانا بھی اس نتیجے کو تسلیم کرتے ہیں:

''جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بناتا ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حقیقت ان دونوں کے درمیان ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تبلیغ اور تلوار دونوں کا حصہ ہے، جس طرح ہر تہذیب کے قیام میں ہوتا ہے۔ تبلیغ کا کام تخم ریزی ہے اور تلوار کا کام قلبہ رانی۔ پہلے تلوار زمین کو نرم کرتی ہے تاکہ اس میں بیج کو پرورش کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے، پھر تبلیغ بیج ڈال کر آب پاشی کرتی ہے تاکہ وہ پھل حاصل ہو جو اس باغبانی کا مقصود حقیقی ہے۔ ہم کو دنیا کی پوری تاریخ میں کسی ایسی تہذیب کا نشان نہیں ملتا جس کے قیام میں ان دونوں عناصر کا حصہ نہ ہو۔ تہذیب کی کسی خاص شکل کا کیا ذکر ہے، خود تہذیب کا قیام ہی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک قلبہ رانی اور تخم پاشی کے یہ دونوں عمل اپنا اپنا حصہ ادا نہ کریں۔ کوئی شخص جو انسانی فطرت کا رمز شناس ہے، اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہے کہ جماعتوں کی ذہنی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

واخلاقی اصلاح کے سلسلے میں ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب کہ قلب و روح کو خطاب کرنے سے پہلے جسم و جان کو خطاب کرنا پڑتا ہے۔'' (الجہاد فی الاسلام ۱۷۵)

تضاد اور پریشان خیالی ہی کی ایک مثال یہ ہے کہ مولانا نے انسان کی جان سے تعرض کرنے کا جواز 'قصاص' کے اصول کو قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو فرد یا گروہ دوسرے انسانوں کے جان و مال یا آزادی رائے پر تعدی کرے، اس کو اس سے روکنے کے لیے یا اس سے بدلہ لینے کے لیے اس کے خلاف تلوار اٹھائی جا سکتی ہے۔ 'قصاص' کو جہاد کی مشروعیت کا بنیادی نکتہ ماننے کا یہ نتیجہ بھی مولانا خود بیان کرتے ہیں کہ اس طرح کا کوئی ظلم و عدوان نہ پائے جانے کی صورت میں کسی گروہ کے خلاف تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں۔ لکھتے ہیں:

''یہ تعلیم جنگ کو ہر قسم کے دنیوی مقاصد سے پاک کر دیتی ہے۔ شہرت و ناموری کی طلب، عزت و فرمانروائی کی خواہش، مال و دولت اور حصول غنائم کی طمع، شخصی و قومی عداوت کا انتقام، غرض کوئی دنیوی غرض ایسی نہیں ہے جس کے لیے جنگ جائز رکھی گئی ہو۔ ان چیزوں کو الگ کر دینے کے بعد جنگ محض ایک خشک و بے مزہ اخلاقی و دینی فرض رہ جاتی ہے جس کے مہالک و خطرات میں مبتلا ہونے کی از خود خواہش تو کوئی کر ہی نہیں سکتا، اور اگر دوسرے کی طرف سے فتنہ کی ابتدا ہو تب بھی صرف اس وقت مقابلہ کے لیے تلوار اٹھا سکتا ہے جب کہ اصلاح حال اور دفع ضرر کے لیے تلوار کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہ رہے۔'' (الجہاد فی الاسلام ۲۲۱-۲۲۲)

''اسلام کی تلوار ایسے لوگوں کی گردنیں کاٹنے کے لیے تو ضرور تیز ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یا اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں- اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس تیزی میں وہ حق بجانب نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ ظالم نہیں ہیں، جو بدکار نہیں ہیں، جو صد عن سبیل اللہ نہیں کرتے، جو دین حق کو مٹانے اور دبانے کی کوشش نہیں کرتے، جو خلق خدا کے امن و اطمینان کو غارت نہیں کرتے، وہ خواہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کے دینی عقائد خواہ کتنے ہی باطل ہوں، اسلام ان کی جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ ان کے لیے اس کی تلوار کند ہے اور اس کی نظروں میں ان کا خون حرام ہے۔'' (الجہاد فی الاسلام ۱۵۶)

لیکن اس کے بعد اسی اصول کی تفریع کرتے ہوئے مولانا اس سے 'مصلحانہ جنگ' کا جواز اخذ کر لیتے ہیں جو کسی ظلم و عدوان یا فتنہ و فساد کے خلاف نہیں، بلکہ عمومی سطح پر کسی معاشرے کی اخلاقی اصلاح اور اس میں نیکی کے تصورات و اقدار کو فروغ دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ نتیجہ کسی طرح ان کے بنیادی مقدمے پر متفرع نہیں ہوتا، کیونکہ خود مولانا کی توضیح کے مطابق رفع فساد اور قصاص کو انسانی جان سے تعرض کا بنیادی اصول ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ جو قومیں مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد کی مرتکب نہ ہوں، ان کے خلاف تلوار اٹھانا حرام قرار پائے۔

[باقی]

عقیل احمد انجم

توکل اور صبر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کمزور انسان سے قوت ور مسلمان زیادہ بہتر اور خدا کے نزدیک پیارا ہے اور ہر ایک میں بھلائی ہے، ہر وہ چیز جو تجھے نفع دے اس کی پوری خواہش کر اور خدا سے مدد چاہ، اس راہ میں کمزوری نہ دکھا اور اگر تجھے اس میں کچھ تکلیف پہنچ جائے تو یوں نہ کہہ کہ اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا، بلکہ یہ کہہ اللہ نے مقدر کر دیا تھا اور جو چاہا اس نے کیا کیونکہ یہ اگر اور مگر شیطان کا کاروبار کھولتا ہے۔''

یہ حدیث ان تمام مسائل کی شرح کرتی ہے جن کو اسلام کی اصطلاح میں تقدیر، توکل، صبر اور شکر سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ چاروں تعلیمات اسی لیے ہیں کہ مسلمانوں میں حوصلہ مندی، پرامیدی، استقلال اور ثبات قدم پیدا ہو۔ مسلمان وہ ہے جو کسی بڑے کام کے کرنے کا عزم کرے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کام کو پایہ تکمیل تک لے جائے اور اگر اس میں کامیاب ہو جائے تو عجز و انکساری کے ساتھ اپنے رب کے حضور جھک جائے اور فخر و غرور کو پاس بھی نہ آنے دے۔ اور یہ سمجھے کے یہ اسی کے فضل و کرم سے ہوا ہے۔

اور اگر ناکامی ہو جائے تو یاس و ناامیدی کے بجائے اپنے رب پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے ثابت قدمی اور حوصلے کے ساتھ اسے تقدیر سمجھتے ہوئے قبول کر لے یہی بندۂ مومن کا رویہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

لیکن آج کے نفسانفسی کے دور میں مسلمان اپنے رب کی تعلیمات کو بھول کر اور اپنے رب پر بھروسہ چھوڑ کر اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرتے ہیں انسان اللہ پر بھروسے کے بجائے انسانوں پر بھروسہ کرتے ہیں ایسا کیوں ہوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو حجت ماننے کے بجائے اپنے مسلک کے بزرگوں کی باتوں کو حجت مان کر ان پر عمل کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر بھروسہ چھوڑ کر ان لوگوں پر بھروسہ کیا جو اللہ تبارک کے خود محتاج ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org